آؤ لوگو کہ یہین نور خدا پاؤ گے ٭ لو تمہین طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۵ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

سلسلہ احمدیہ کی سچائی پر یہ ایک ہی دلیل کافی ہے

کہ ایک طرف تو مخالفین مذہب اسلام نے اسکے دلایل کے جواب سے اپنی عاجزی کو خاموشی کے رنگ مین ظاہر کیا ہے اور یا زیادہ سے زیادہ کچھ کیا ہے تو تمسخر اور استہزا جو ہمیشہ سے صادقین کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے اور دوسری طرف جن لوگون نے تعصب کو دل سے نکالکر اسکی تحریرونکو مطالعہ کیا ہے انہون نے تسلیم کیا ہے کہ جو حمایت مذہب اسلام کی آج یہ سلسلہ کر رہا ہے کوئی مولوی یا ملا یا کوئی انجمن اسکا عشر عشیر بھی نہین کر رہی ہے اسکی ایک ہی مثال کافی ہے کس نے یہ کوشش کی کہ انگریزی زبان مین صرف مذہب اسلام کی سچائی ظاہر کرنیکے لیے یورپ اور امریکہ کے رہنے والون تک یہ پاک پیغام پہونچائے کہ سب غلطیون سے پاک اور اللہ تعالے کے ساتھ تعلق پیدا کرنیوالا اور سچا روحانی مذہب صرف ایک ہی ہے یعنی اسلام اور پھر کس قوم نے یہ کوشش کی جیساکہ ہماری قوم نے کی کہ ان رسالونکی سینکڑون کا پیان مفت ان لوگونکے گھر دینین پہونچائین۔ کاش مسلمان صرف اسی بات پر غور کرتے کہ یہ جوش سچائی کی حمایت کا اور یہ جوش باطل کی تردید کا کسی کاذب کے دل مین بھی ہو سکتا ہے اور پھر ایک دو دن یا ایک دو سال کیلئے نہین بلکہ جو تھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذر جائے اور وہ جوش دن بدن ترقی پر ہو۔ اس جگہ مین ایک **تازہ شہادت** بیان کرنا چاہتا ہون کہ اس سلسلہ کی تحریرونکو ایک تعصب سے پاک دل کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اس سے پہلے امریکہ مین مسٹر ویب اور اسٹریلیا مین مسٹر سیورایٹ اور مسٹر ہنری مجل اور انگلستان مین مسٹر کولم کی شہادت کا کئی دفعہ اشتہارات وغیرہ مین ذکر آگیا ہے۔ حال مین ایک انگریز کی خط وکتابت ہمارے ساتھ شروع ہوئی ہے جسکے نام کو مین ابھی مصلحتاً ظاہر نہین کرتا۔ پہلا خط اسکا جو حضرت اقدس کے نام تھا اسمین وہ لکھتا ہے "مین نے آپکے اس رسالہ یا اخبار کو جسکا نام ریویو آف ریلیجنز ہے اور جو اعلے درجہ کی قابلیت کے ساتھ لکھا گیا ہے پڑھا ہے ..... مجھے اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے تیرہ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اور مینے جسقدر ممکن تھا کوشش کر کے انگریزی زبان مین جسقدر کتابین اسلام پر لکھی گئی ہین خواہ انکے مصنف مسلمان تھے یا غیر مسلمان سب جمع کی ہین اور اب اسلامی مذہب کی ایک خاصی لائبریری میرے پاس جمع ہو گئی ہے مگر ابتک مینے ایک بھی ایسی کتاب نہین پڑھی جسمین اسلام کی حمایت اسقدر زور کے ساتھ کیگئی ہو جیسا آپکے شاندار پرچے مین" پھر دوسرے خط مین جو میرے نام تھا وہی صاحب لکھتے ہین "مین آپکا شکریہ ادا کرتا ہون ریویو آف ریلیجنز کے ان پرچونکے لیے جو آپنے مجھے بھیجے ہین۔ اور میری طرف سے مرزا صاحب کا بھی شکریہ ادا کریں اور انکی خدمت مین میرے دل سے نکلی ہوئی یہ مبارکباد پہونچا دین کہ انکی تصانیف نہایت ہی شاندار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

طلاق

پردہ اور تعدد ازدواج پر بحث کرتے ہوئے مین یہ دکھا چکا ہون کہ جو اعتراض ان دونون کے خلاف پیدا ہوئے ہین وہ محض غلط فہمی کیوجہ سے ہوئے ہین طلاق کے مضمون پر غور کرنیسے بھی اسی بات کا ثبوت ملتا ہے۔ اس مین کسی کو کلام نہین ہوسکتا کہ جب سے سلسلہ نکاح جاری ہے اسیوقت سے سلسلہ طلاق بھی ساتھ ساتھ چلا آیا ہے اور طلاق کی ضرورت کو مہذب اور غیر مہذب کل کی کل اقوام نے مانا ہوا ہے۔ طلاق کے بارہ مین مذہبی جازت تحریر کے اندر سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی شریعت مین ملتی ہے چنانچہ استثناء ۲۴ باب کی پہلی آیت مین یون مرقوم ہے "اگر کوئی مرد کوئی عورت لیکے اس سے بیاہ کرے اور بعد اسکے ایسا ہو کہ وہ اس کی نگاہ مین عزیز نہ ہو اس سبب سے کہ اس نے اس مین کچھ پلید بات پائی۔ تو وہ اس کا طلاقنامہ لکھ کے اسکے ہاتھ دے اور اسے اپنے گھر سے باہر کرے۔"

اس فقرہ مین جس لفظ کا ترجمہ پلید بات کیا ہے اس کی ترمیم نئے انگریزی ترجمہ مین یہ کی گئی ہے کہ بجائے "پلید بات" کے "نامناسب امر" ڈالدیا گیا ہے۔ خود یہودی علماء کا بھی اس فقرہ کے معنے کرنے مین اختلاف رہا ہے چنانچہ ایک فرقہ یہود کا جس کا سرگروہ شمائی تھا اس سے مراد صرف اخلاقی نقص لیتا رہا۔ اور ایک دوسرا فرقہ جو ہلل کا فرقہ کہلاتا ہے اسکے معنون مین توسیع کا قایل رہا ہے اور اسلیے اس موخر الذکر فرقہ کے نزدیک یہودی شریعت مین مرد عورت کو چھوٹی چھوٹی باتون پر بھی طلاق دینے کا حق رکھتا ہے۔

قبل اس کے کہ یہ غور کیا جاوے کہ عیسائی مذہب نے موسوی قانون طلاق مین کیا تغیر کیا یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رومیون کے درمیان رواج طلاق پر پہلے غور کیا جاوے۔ ابتدا مین رومیون کے درمیان طلاق کے بارہ مین اس قدر آزادی تھی کہ مرد عورت کو اپنے مقبوضات کے ایک حصہ کی طرح سمجھ کر جب چاہتا الگ کر دیتا پھر جب طلاق کا قانون تجویز کیا گیا تو اس مین بھی ایسی ہی آزادی رہی ہان یہ کہا جاتا ہے کہ خود بخود قوم آہستہ آہستہ اسقدر طلاق کے خلاف ہوگئی تھی کہ پانچسو برس کے عرصہ کے اندر ایک طلاق کا واقع ہونا بھی ثابت نہین

مگر یہ ایک غلطی ہے۔ طلاق کے واقع کا نہ ملنا اس وجہ سے نہین کہ اس زمانہ مین قطعاً کوئی طلاق ہی واقع نہ ہوتی تھی بلکہ اصل
بات یہ ہے کہ اسوقت طلاق کے مقدمات عدالتون مین پیش نہ ہوتے تھے اور خانگی طور پر اس قسم کے تمام فیصلہ ہوجاتے
تھے اسیوجہ سے ان کی کوئی شہرت بھی نہ ہوتی تھی کچھ مدت کے بعد طلاقنامہ کا لکھا جانا ضروری کردیا گیا اور اس پر
سات گواہونکی شہادت ہونی لازمی تھی اور مردون کے ساتھ عورتون کے بھی حقوق طلاق قرار دیئے گئے۔

عیسائی مذہب کے سامنے اسکی پیدایش کیوقت یہودی اور رومی قوانین طلاق موجود تھے اور ان کے نقصونکی
اصلاح کرنیکی کوشش مین عیسائیت نے سخت ٹھوکر کھائی کیونکہ تفریط کا پہلو اختیار کرکے اس نے ایسے قیود اور حدود
طلاق کے معاملے مین لگادیئے جن کی برداشت سوسائیٹی نہ کرسکتی تھی بانی مذہب کے جو الفاظ طلاق کے بارہ مین پیش
کیے جاتے ہین وہ نہایت مختصر ہین مگر ان کے اختصار کی وجہ سے ہی انکے معنون مین طرح طرح کی پیچیدگیان ڈالی گئی ہین
اور اختلاف کیے گئے ہین۔ متی باب ۵۔ آیت ۳۲ مین حضرت مسیح کیطرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے "یہ بھی لکھا
گیا ہے کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاقنامہ لکھدے۔ پر مین تمہین کہتا ہون کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے
سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے"۔
اس جگہ جو لفظ زنا کا استعمال ہوا ہے اسکے اصل سے مختلف مفہوم مراد لیے گئے ہین کئی صدیون تک کلیسیا کا یہی
عقیدہ رہا کہ اس جگہ زنا سے مراد بیاہ سے پہلے کا زنا ہے جسکا خاوند سے اخفا کیا گیا ہو اور اس مین وہ زنا شامل
نہین جو عورت بیاہے جانیکے بعد کرے۔ چنانچہ اسی بات پر آدھی عیسائی دنیا یعنی رومن کیتھولک فرقہ عقیدہ
کے رو سے اب تک قایم ہے۔ کیونکہ اس فرقہ کے نزدیک نکاح ایک ایسا عہدنامہ ہے جو کسی صورت مین فسخ
نہین ہوسکتا اور اس لیے کوئی وجہ جو نکاح کے بعد پیدا ہو اس کا اثر اس معاہدہ پر کچھ نہین ہوسکتا ہان اگر وجہ
نکاح سے پہلے موجود تھی تو اس صورت مین یہ سمجھا جاویگا کہ معاہدہ ہوا ہی نہین اور نہ نکاح واقع ہوا ہے پس زنا سے
صرف زنا قبل از نکاح ہی مراد لیا گیا اور لیا جاتا ہے اور اس مین زنا بعد از نکاح داخل نہین گویا اس فرقہ کے عقیدہ
کے رو سے نکاح کے بعد زنا سے بھی طلاق کیلیے وجہ پیدا نہین ہوتی۔ چنانچہ اسی بنا پر یہ عقیدہ قایم کیا گیا
ہے کہ جو مرد کسی عورت سے بیاہا گیا وہ پھر کسی صورت مین اس سے الگ نہین ہوسکتا مگر ایک دوسرے عیسائی فرقہ
کا یہ عقیدہ ہے اور یہ فرقہ پراٹسٹنٹ عیسائیونکا ہے کہ ان الفاظ مین زنا بعد از نکاح بھی داخل ہے اس فرقہ کے
نزدیک معاہدہ نکاح بالکل ناقابل انفساخ تو نہین مگر سوائے اسکے جو عورت کا زنا ثابت ہو اور کوئی وجہ طلاق کی
نہین مگر وہ لوگ بھی عیسائیون مین ہوئے ہین جو ان الفاظ سے نہ صرف زنا اور اخلاقی نقص ہی مراد لیتے رہے ہین بلکہ ہر ایک
ایسے نقص کو جو خاوند اور عورت کے تعلقات پر بد اثر ڈالے اور طلاق کی ضرورت پیدا کرے وہ مسیح کے الفاظ مین
داخل سمجھتے رہے ہین اس خیال کا حامی انگلستان کا مشہور شاعر جان ملٹن ہوا ہے جو تعدد ازدواج کا بھی حامی تھا

وہ لکھتا ہے کہ خود مسیح نے زنا کی وجہ پر طلاق کو جایز رکھا ہے جو نکاح کے ناقابل انفساخ معاہدہ ہونیکی تردید کرتا ہے۔ مگر مشرقی زبانون کے محاورے کے مطابق زنا سے مراد صرف فعل زنا ہی نہین بلکہ ہر ایک وہ بات جس کو پلید بات کہا گیا ہے اس مین داخل ہے اور ایسا ہی کسی ایسے امر مین عورت کا نقص جو امر عورت مین ضرور ہونا چاہیئے وہ بھی اس مین داخل ہے یا اسکے یہ معنے لیے جا سکتے ہین کہ جو بات محبت یا عفت یا ایکدوسرے کی مدد یا تعلقات کے خلاف پیدا ہو یعنی ہر ایک ایسا امر جو اغراض نکاح کے خلاف ہو اس مین داخل ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ معنے بعد کے تجویز کردہ ہین اور اسوقت..سوجھے ہین جب یہ ثابت ہو گیا کہ اس لفظ زنا کے معنونکو محدود رکھنے سے سوسائیٹی کا انتظام درہم برہم ہوتا ہے۔ عیسائیت کا پہلا اثر نکاح پر یہی ہوا کہ نکاح کا معاہدہ کبھی صورت مین فسخ نہین ہو سکتا اور اگر کبھی اس کو کالعدم سمجھا بھی جاوے تو فریقین از سر نو نکاح نہین کر سکتے لیکن گریک چرچ رومن کیتھولک چرچ کے خلاف اس بات کا قایل رہا ہے کہ عورت کے زنا کے ثبوت پر کامل طلاق جس کے بعد فریقین نکاح کر سکین درست ہے بلکہ رومن کیتھولک چرچ نے بھی اپنا یہ خاص حق قایم رکھا ہے کہ خاص صورتون مین از سر نو نکاح کرنے کی اجازت دیجاوے ✤

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہودی شریعت مین مرد کو عورت کے طلاق دینے کا حق حاصل تھا اگر عورت کے لیے چارہ جوئی کی کوئی راہ شریعت کے الفاظ مین موجود نہ تھی۔ حضرت مسیح نے بھی اس نقص کو رفع نہین کیا! اسمین شک نہین کہ انہون نے مرد کے اختیارات کی یہ حدبندی کر دی کہ وہ زنا کے سوا عورت کو طلاق نہ دے مگر عورت پر خواہ کسیقدر ظلم ہو وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ انگلستان مین جو قانون طلاق مروج ہے وہ بانی مذہب کے الفاظ سے الگ ہو کر خاص صورتونمین عورتونکی دادرسی بھی کرتا ہے مگر وہان سوائے اسکے کہ عورت اپنے شوہر کے زنا کے ساتھ یہ بھی ثبوت دے کہ اس کے ساتھ ظالمانہ اور بیرحمی کا سلوک کیا جاتا ہے عورت کو طلاق کیلیے نالش کرنیکا حق حاصل نہین ایسا ہی دیگر عیسائی ممالک مین بھی کئی جگہ خاص خاص وجوہات عورتونکو طلاق حاصل کرنیکی اجازت ہے مگر ان قوانین کی بناء عیسائی کتب مقدسہ نہین بلکہ قومی ضرورتین ہین۔ مسیح نے حضرت موسیٰ کی شریعت مین سوائے اسکے اور کوئی تبدیلی نہین کی کہ مرد کو سوائے اس صورت کے اپنی عورت کو طلاق دینے کا حق حاصل نہین جب وہ مرتکب زنا ہو۔ مگر اس سے بڑھکر کچھ نہین کہا اور اسلیے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ باقی باتون مین اس نے موسوی شریعت کو قایم رکھا الغرض حضرت مسیح کے جو الفاظ متی مین نقل کیے گئے ہین ان سے صرف یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ خاوند عورت کو زنا کی صورت مین طلاق دیسکتا ہے مگر عورت کو طلاق حاصل کرنیکا کوئی حق ہرگز نہین دیا گیا خواہ مرد کیطرف سے اسپر کیسے ظلم ہوتے ہون پس نہ یہودی شریعت نے اور نہ ہی عیسائی مذہب نے عورت کیلیئے طلاق حاصل کرنیکی کوئی راہ کھلی رکھی ہے اور جو کچھ اختیار یا اجازت ان دونون مذہبونمین دیگئی ہے۔ وہ صرف مرد کو ہی دیگئی ہے ✤

یہودیون اور عیسائیون کے علاوہ تیسری قوم جو اسلام کی پیدائش کے وقت اسکے سامنے موجود تھی وہ عرب
کی بت پرست قوم تھی ایام جہالت مین عربون کے اندر عورت مال مویشی کی طرح سمجھی جاتی تھی اور خاوند کو کامل اختیار
تھا کہ جب چاہے اسے چھوڑدے اور جب چاہے واپس لے اور اس طرح پر عورتونکو سخت تکلیف دیجاتی تھی۔ عورت کا
ایسی ذلیل حالت مین ہونا خود اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ جایداد کا حصہ سمجھی جاتی تھی اور جہان ورثہ مین دوسری چیزین
ملتی تھین عورتین بھی ورثہ کا ایک حصہ ہوتی تھین غرضیکہ ایکطرف یہودیون اور عیسائیون کے وہ قوانین طلاق تھے
اور ایک طرف عربون مین یہ رواج طلاق تھا یہی وہ قومین تھین جو ابتدا مین اسلام کے سامنے تھین اور ان مین افراط اور تفریط
کے دونون پہلو موجود تھے مگر ایک بات مین وہ سب متفق تھے یعنی عورت کسی صورت مین طلاق حاصل نہ کرسکتی تھی
اور طلاق کا اختیار صرف مرد کو ہی حاصل تھا پس اس حالت مین ایک ایسے کامل قانون طلاق کی ضرورت تھی جو مردون
اور عورتونکے حقوق پر برابر غور کرنیکے علاوہ عملی قواعد ایسے تجویز کرے جنسے نظام سوسائٹی احسن طریق پر چلایا
جائے اور اس ضرورت کو ہی اسلام کے مقدس مذہب نے پورا کیا۔

اسلام نے سب سے پہلے پوری صفائی سے ضرورت طلاق کو محسوس کیا۔ یہ ضرورت ایک ایسی عام ضرورت
ہے کہ دنیا کی اقوام مین سے کوئی قوم ایسی نہین جس نے اس ضرورت کو محسوس نہ کیا ہو اور طلاق کی اجازت نہ دی
ہو سوائے اس نئے ہندو فرقہ کے جو ہر حالت مین اور ہر مشکل کیوقت نیوگ پر کاربند ہوتا ہے اس فرقہ کے عقاید کے
مطابق زنا سے بھی طلاق کی ضرورت پیدا نہین ہوتی اور ہو بھی کیونکر جب ایک بیاہی ہوئی عورت بہت سی
صورتون مین اپنے خاوند کے علاوہ دوسرے مردون سے ہمبستر ہوسکتی ہے اور ایک بیاہا ہوا آدمی اپنی عورت کے
سوائے دوسری عورتونسے اسی فعل کا ارتکاب کرسکتا ہے انکے نزدیک مسلم اصول یہ ہے کہ اگر مثلاً عورت یہ سمجھے
کہ اسکے خاوند کا سلوک اس سے اچھا نہین تو اسکو چاہیئے کہ اپنے خاوند کے ساتھ ہمبستر نہ ہو بلکہ اپنے گھر مین دوسرے
مرد کو بلاکر اس سے ہمبستری کرے اور جو بچے اس طرح پیدا ہون وہ اصل شوہر کے بچے سمجھے جائین اور اس کی جایداد
کے وارث ہون ایسا فرقہ اگر طلاق کی ضرورت کو محسوس نہ کرے بلکہ اسے عیب سمجھے تو عجیب بات نہین لیکن جن
اقوام نے طلاق کی ضرورت کو محسوس کیا ہے ان مین وجوہات طلاق کے متعلق بڑا بھاری اختلاف ہے حتی کہ
ایک ہی مذہب اور ایک ہی پیشوا کی پیرو قومون مین جو مختلف ملکون مین رہتی ہین بلکہ ایک ہی ملک کی مختلف ریاستون
کے رہنے والے لوگون مین اس بارے مین بڑا بھاری اختلاف ہے گویا ان سب کے قوانین کی ایک ہی عیسائی
عقیدہ ہے۔ انگلستان مین جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اگر عورت کا زنا ثابت ہو تو خاوند اسے عدالت مین چارہ جوئی
کرکے طلاق دیسکتا ہے لیکن اگر عورت طلاق لینی چاہے تو اسے یا تو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ اسکے خاوند نے
ان عورتون مین سے کسی کے ساتھ جو اسکی قریبی رشتہ دار ہونیکے سبب سے اسپر حرام کی گئی ہین زنا کیا ہے اور یا یہ

کہ علاوہ زنا کرنیکے اس کا سلوک بھی ظالمانہ ہے قانونی علیحدگی اسکے علاوہ اور صورتون مین بھی ہوسکتی ہے۔ سکاٹلینڈ مین قانون طلاق زیادہ وسیع ہے اور فریقین مین سے کسی کی درخواست پر طلاق واقع ہوسکتی ہے بشرطیکہ اس بات کا ثبوت ہو کہ فریقین مین سے کوئی زنا کا مرتکب ہوا ہے یا مرد نے عورت کو چھوڑ دیا ہے اور اسکی خبرگیری نہین کرتا ایسی طلاق کے بعد فریقین کو یہ اختیار ہے کہ وہ جس سے چاہین نکاح کرین مگر جس فریق کے زنا کے سبب سے طلاق واقع ہوئی ہو وہ اس شخص سے نکاح نہین کرسکتا جسکے ساتھ اس کا زنا ثابت ہے۔ ناقص طلاق ظلم کی وجہ پر مل سکتی ہے۔ آئیلینڈ مین زنا یا اراداتاً اور بدنیتی سے عورت کو چھوڑ دینے اور اسکی خبرگیری نہ کرنے یا جرایم خلاف وضع فطرت انسانی کا ارتکاب کرنے یا عمر کیلیے قید ہوجانیسے طلاق ہوسکتی ہے۔ پرشیا مین اس بارے مین باقی ممالک یورپ کی نسبت زیادہ آزادی حاصل ہے کامل طلاق بمفصلہ ذیل وجوہات مین سے کسی پر ملسکتی ہے (۱) زنا یا جرم خلاف وضع فطرت انسانی کا ارتکاب کرنے۔ یا دو شخصون مین ایسا ناجایز تعلق ہونیسے جس سے زنا کے ارتکاب کا قیاس ہوسکتا ہو۔ (۲) عمداً علیحدگی اختیار کرنیسے یا حقوق زوجیت کے ادا کرنیسے انکار کے اصرار پر۔ (۳) نامردی سے خواہ وہ نکاح کے پہلے ہو اور خواہ بعد مین۔ (۴) لاعلاج جسمانی نقصون سے جو دلمین نفرت اور ڈر پیدا کرنیوالے ہون۔ (۵) دیوانگی سے جسکے علاج سے مایوسی ہو۔ (۶) فریقین مین سے ایک کے دوسرے کی جان لینے کی کوشش کرنیکی وجہ سے یا دوسرے کی عزت یا آزادی پر سخت اور ناجایز حملہ کرنیسے۔ (۷) مزاجونکی ناموافقت یا ایک کی طبیعت کا اس حدتک جھگڑالو ہونا جس سے زندگی یا صحت کو خطرہ ہو۔ (۸) کسی ایسے جرم کا ارتکاب جسکی سزا قید دیگئی ہو یا دوسرے فریق پر جھوٹا [illegible] لگانا۔ (۹) کوئی ذلیل پیشہ اختیار کرنا یا دوسرے فریق کی تجارت پیشہ عزت یا زندگی کو خطرہ مین ڈالنا۔ (۱۰) تبدیل مذہب ڈنمارک کے قانون کے روسے محرمات سے زناکاری کا ارتکاب۔ جذام یا ارتکاب جرم کیوجہ سے جلاوطنی۔ عدالت کی جوابدہی سے بھاگ جانا بشرطیکہ تین سال گذر چکے ہون اور ایسی جلاوطنی جو ارتکاب جرم کیوجہ سے نہ ہو بشرطیکہ سات سال گذر چکے ہون۔ یہ سب وجوہات طلاق ہین۔ سویڈن مین صرف ارتکاب زنا سے طلاق ملسکتی ہے۔ روس مین زنا اور مزاج کی ناموافقت کیوجہ سے طلاق دیجاسکتی ہے۔ ہسپانیہ مین نکاح کا معاہدہ ناقابل فسخ ہے۔ اطالیہ مین طلاق کسی صورت مین نہین ملسکتی لیکن قانونی طور پر علیحدگی بعض وجوہات پر واقع ہوسکتی ہے۔ فرانس مین مرد عورت کی زناکاری ثابت کرکے طلاق حاصل کرسکتا ہے مگر عورت صرف اس صورت مین طلاق لے سکتی ہے کہ مرد کی زناکاری کے ساتھ یہ بھی ثابت کرے کہ اس نے اپنی محبوبہ کو گھر کے اندر داخل کیا ہے اسکے علاوہ اور وجوہات پر بھی طلاق واقع ہوسکتی ہے۔ مثلاً تشدد یا ظالمانہ برتاؤ کے سبب سے یا ایسے الفاظ یا تحریرون یا افعال کی وجہ سے جو دوسرے زوج کی شہرت یا عزت کو نقصان پہنچانیوالے ہون اور قانونی سزا کیوجہ سے جسکا نتیجہ جسمانی طور پر حبس یا اخلاقی طور پر ذلت ہو۔ بلاوجہ اور بطور عادت حقوق زوجیت کے ادا کرنیکے انکار۔ بیماری کو دوسرے

زوج کی طرف منتقل کرنے۔ نکاح کی کسی مذہبی رسم کی ادائیگی سے انکار کرنے اور عادتاً شراب خوری کیوجہ سے بھی طلاق قانوناً مل سکتی ہے +

یہ تو یورپ مین اختلاف وجوہات طلاق کا حال ہے امریکہ مین اس سے بھی زیادہ اختلاف نظر آتا ہے۔ کیونکہ ریاستہائے متحدہ مین چھوٹی چھوٹی ریاستون نے الگ الگ قوانین طلاق تجویز کر رکھے ہین اور ایک ریاست دوسری کی وجوہات کو کافی یا ضروری نہین سمجھتی:۔

زنا ۴۶ ریاستون مین طلاق کیوجہ قرار دیگئی ہے۔ عورت کو چھوڑ دینا اور اسکی خبر گیری نہ کرنا ۴۴ ریاستون مین۔ غایب ہوجانا ۴۲ مین۔ ظلم یا تشدد کا خوف ۴۰ مین۔ قید ۳۸ مین۔ متوالا پن شراب خوری مین بے اعتدالی یا عادتاً شراب خوری ۳۷ مین۔ نامردی ۳۶ مین۔ نان و نفقہ مہیا کرنیکی ناقابلیت ۲۱ مین۔ نکاح سے پہلے بدکاری ۱۲ مین۔ ہتک کرنا ۷ مین۔ دیوانگی ۵ مین۔ لی کے فرقہ مین شامل ہونا ۳ مین جب کسی دوسری ریاست مین طلاق حاصل کیگئی ہو ۳ مین۔ الگ رہنا ۲ مین۔ ادائیگی فرایض مین عمداً غفلت کرنا ۲ مین۔ آوارگی کا مجرم ہونا ۱ مین۔ عورت کا کسی دوسری ریاست مین جانیسے انکار کرنا ایک مین۔ عورت کو گھر سے باہر نکالدینا ایک مین۔ عادتاً سخت مزاجی ایک مین۔ کوئی وجہ جو عدالت کی رائے مین کافی ہو ایک ریاست مین وجوہ طلاق سمجھی گئی ہین۔ ایک ریاست مین کوئی قانون طلاق کا نہین ہے اکثر ریاستون مین طلاق حاصل کرنیکے اخراجات بہت زیادہ نہین ہین اور نہ مقدمات کو وہ عام شہرت دیجاتی ہے جو انگلستان مین دیجاتی ہے اسلیے طلاقونکی تعداد ریاستہائے متحدہ مین بہ نسبت دوسرے عیسائی ممالک کے بہت زیادہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکثر حالتونمین طلاق حاصل کرنیکی غرض کسی دوسرے مرد یا عورت سے نکاح کی ہوتی ہے۔ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ جسقدر کوئی قوم ذہانت مین ترقی کرتی گئی ہے اسیقدر اسمین طلاقونکی تعداد بڑھتی گئی ہے۔ ڈاکٹر فٹ کا بیان ہے کہ مینے اس بیان کی تصدیق مین ایک دفعہ ایک بڑی عام مجلس مین تھیئین پیش کی تھین اور اسکو ثابت کر کے دکھایا تھا وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مین ان طلاقونکی تعداد مین زیادتی کو اس قوم کیلیے فخر کا باعث سمجھتا ہون نہ ذلت کا اور اس سے گھر کے دایرہ کے اندر کے اخلاق اور تہذیب کی عمدگی کا پتہ ملتا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جیسے مرد کو طلاق حاصل کرنیکی اجازت ہے ویسے ہی عورت کو بھی طلاق لینے کا اختیار ہے۔

میری غرض عیسائی ممالک کے مختلف وجوہات طلاق کے بیان کرنیسے یہ ہے کہ کوئی دو عیسائی ملک بھی اس بات پر اتفاق نہین رکھتے کہ کونسے وجوہات پر طلاق جایز ہونی چاہیئے۔ اگر زنا کے علاوہ کسی اور وجہ پر طلاق کی اجازت بھی دیگئی ہے تو یہ فیصلہ نہین کیا گیا کہ کن وجوہات پر طلاق کا جواز ہونا چاہیئے اور کن پر نہین اور اسکے دلایل کیا ہین یہ ان قومونکی حالت ہے جو سب ایک ہی مذہب کی پیرو ہین اور تہذیب کے ایک ہی مرحلہ پر پہنچی ہوئی ہین اور پھر اکثر تمدنی اور اخلاقی امور پر انکے خیالات بھی ایک سے ہی ہین۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا طلاق کی وجوہات کی حدبندی

کرنا درست بھی ہے۔ یوروپ کے تمام ممالک اور امریکہ کی تمام ریاستون نے اس بارے مین عبث کوششین کر کے آخر یہ ثابت کر دیا ہے کہ درست اصول اس ایک ریاست کا ہے جو آخر اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ جہان طلاق کی کافی وجہ موجود ہو وہان ضرور طلاق ملنی چاہیئے خواہ وہ وجہ بعینہ وجوہات کے اندر پائی جاتی ہو یا نہ پائی جاتی ہو۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کل دنیا کے لیے طلاق کے وجوہات معین کیے جا سکتے تو اسقدر اختلاف اسقدر یکسان خیال کی قومون مین اس معاملہ مین ہرگز نہ پایا جاتا۔ خصوصاً جب ان اقوام کا یہ دعوے بھی ہو کہ ہم تہذیب کے اعلے معیار پر پہونچ چکے ہین پس اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ طلاق کے وجوہات معین کرنا بڑی بھاری غلطی ہے کیونکہ ایسے وجوہات کل انسانی حالات پر حاوی نہین ہو سکتے۔ اسلام جسکا سرچشمہ وحی الہی تھی اور اسی لیے انسانی فطرت کے تمام پہلوؤن اور انسانی حالات کے ہر ایک قسم کے تغیر و تبدل پر اسکی پوری نظر تھی۔ اسنے سب سے پہلے مروجہ قوانین طلاق مین یہی اصلاح فرمائی کہ تعیین وجوہات طلاق کو جائز نہ رکھا۔ یہ مقدس مذہب کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص زمانہ کے لیے نہ تھا کہ اسکے مطابق طلاق کے چند وجوہات کا نام لے دینا بلکہ اسکا دایرہ وسیع اور تمام زمین اور زمانے پر حاوی تھا اور اسی لیے دوربینی سے اسنے تعیین وجوہات طلاق کی غلطی کو سمجھ کر اس پہلو مین اصلاح کرنیسے کسی قسم کا خوف ظاہر نہین کیا اور طلاق کیلیے ہر ایسی وجہ کو جائز سمجھا جسکو کافی وجہ کہا جا سکتا ہو تا کہ اسکے مجوزہ قوانین تمام انسانی ضروریات کے پورا کرنیوالے ٹھہرین مین یہ کہنے کو بھی تیار ہون کہ واقعی بعض وقت ایک وجہ طلاق کی ایک قوم کیلیے ضروری ہوتی ہے حالانکہ وہی وجہ دوسری قوم کیلیے نہین ہو سکتی بلکہ قومونکو چھوڑ کر افراد سوسائیٹی مین بھی ایسے تغیرات پائے جاتے ہین مثلاً جو سلوک معمولی طور پر ایک جاہل مرد اپنی عورت سے کرتا ہے وہی ایک معزز گھر مین بیجا تشدد سمجھا جاویگا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ ایک ہی قانون طلاق سب دنیا اور سب مانونکے لیے کافی ہوتا تو یسوع مسیح کے اس قانون کو کہ زنا کے سوائے خاوند کسی صورت مین عورت کو طلاق نہین دیسکتا اسقدر دلیری سے اسکے پیرو نہ توڑتے یا مثلاً اگر یہ قانون بہت ہی محدود ہونیکی وجہ سے انسانی سوسائیٹی کے وسیع حالات کے مطابق ثابت نہ ہوا تھا اور اسکو توڑنا ہی پڑا تھا تو چاہیئے تھا کہ مہذب عیسائی اقوام کل کی کل کسی اور ایک ہی قانون کو اپنے لیے تجویز کرتین۔ اور وجوہات طلاق مین اسقدر اختلاف ایک دوسرے سے نہ کرتین۔ پھر اس اختلاف کے ہوتے ہوئے عیسائیونکی یہ محض حماقت ہے کہ وہ شریعت اسلام پر اس بنا پر اعتراض کرین کہ اس مین وجوہات طلاق کی تعیین نہین کیگئی کیونکہ ایسی تعیین تو خود عیسائی اقوام آجتک نہین کر سکین پس ایسا اعتراض اسوقت تک کچھ وقعت نہین رکھتا جبتک کل عیسائی اقوام متفق ہو کر پہلے یہ بیان نہ کرین کہ انکے نزدیک وجوہات طلاق کون کونسی ہونی چاہیئین +

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے جو یہ تجویز کیا ہے کہ کافی وجہ پر طلاق ہونی چاہیئے اور ان وجوہات کی تعیین کو ترک کر دیا ہے یہ قانون طلاق مین سب سے بڑی اصلاح ہے جسپر آخر عیسائی اقوام کو بھی کاربند ہونا پڑیگا۔ دوسرا اعتراض

اسلام پر عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کے مطابق خاوند کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے بلا وجہ ہی اپنی عورت کو طلاق دیکر اسے الگ کر دے ایسا اعتراض یا تعصب سے پیدا ہو سکتا ہے اور یا شریعت اسلامی کی ناواقفیت سے اسمین شک نہین کہ اسلام معاہدہ نکاح کو ناقابل فسخ نہین سمجھتا مگر ساتھ ہی اسکے وہ نکاح کو ایسا مقدس معاہدہ سمجھتا ہے جسکے توڑنے مین پرلے درجہ کے احتیاط اور حزم سے کام لینا چاہیئے۔ اسلام طلاق کے معاملہ مین افراط اور تفریط کے دونون پہلوؤن سے بچا ہوا ہے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خیال ہوتا کہ خاوند عورت کو جب چاہے بلا وجہ بھی طلاق دے سکتا ہے تو آپ بار بار یہ تاکید کیون کرتے کہ حتے الوسع طلاق سے بچنا چاہیئے اصل بات یہ ہے کہ اسلام مین طلاق کی اجازت صرف اسی صورت مین ہے جب اس سے کسی ضرر کی اصلاح مقصود ہو جس ضرر کو اگر طلاق کے ذریعہ نہ روکا جاوے تو سوسائٹی کی ہلاکت کا باعث ہوگا اور اسکی اخلاقی حالتون کو نہایت پستی کی حالت مین گرا دینے والا ہوگا۔ بیاہ کے بعد بعض اوقات ایسے مشکلات اور تکلیفین پیش آجاتی ہین کہ جنکا علاج سوائے فسخ معاہدہ نکاح کے اور کچھ نہین ہوتا انہی صورتون مین اسلام کے اندر طلاق کی اجازت دیگئی ہے۔ بلکہ ان ضرورتون کے اوقات مین بھی اسلام یہی نصیحت کرتا ہے کہ سوائے سخت مجبوری کی حالت کے طلاق کیطرف رجوع نہین کرنا چاہیئے ابغض الحلال الی اللہ الطلاق ۔ ایک مشہور حدیث ہے جسکا منشاء یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالےٰ نے انسانی ضروریات کے سبب سے طلاق کی اجازت تو دی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی نظر مین یہ فعل پسندیدہ نہین کہ انسان بلا وجہ یا ذرا ذرا سی بات پر طلاق کیطرف رجوع کرے بلکہ ایسا فعل اللہ تعالےٰ کو سخت ناراض کرنیوالا ہے اب یہ الفاظ بلا شبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے ہوئے ہین کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ وہی شخص جو بلا وجہ طلاق کو اس نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اپنے پیروؤنکو یہ اجازت دے کہ تمہارا اختیار ہے جبتک چاہو عورتونکو رکھو اور جب چاہو طلاق دو۔ پھر ایسا الزام دینا اگر حماقت نہین تو اور کیا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ شریعت اسلامی مین ایک لفظ بھی اس حدیث کے منشاء کے خلاف نہین ہے۔ یہ حدیث بطور ایک بنا کے ہے جس سے اسلامی شریعت کا سچا منشاء معلوم ہو سکتا ہے اصل بات صرف اسیقدر ہے کہ اسلام اس غلطی کا مرتکب نہین ہوا کہ عیسائیونکی طرح طلاق کیلیے چند وجوہ بیان کر دیتا اور پھر آئے دن مختلف قومونکے درمیان ان مین تبدیلی ہوتی رہتی +

اب ضروری سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام جو طلاق کیلیے کافی وجہ چاہتا ہے پھر اسنے اپنے اس منشاء کو پورا کرنیکا کونسا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ اعتراض کیا جائیگا کہ خواہ اسلام نے کافی وجہ کو طلاق کیلیے ضروری ہی سمجھا ہو مگر اسکا اختیار اُسنے کلیتہً ایک فرد کے ہاتھ میں دیدیا ہے جو جس طرح سے چاہے اپنے منشاء کو پورا کر سکتا ہے اور کسی قسم کی روک سپر ایسی نہین ڈالی گئی اور کہ زکم یہ کہ جب کوئی رنجش کا موقعہ پیدا ہوگا تو ہر ایک شخص

اپنے حق مین ہی فیصلہ کرے گا اور اسلیے عورت کا رکھنا یا اس کو طلاق دیکر نکالدینا اسکی مرضی پر منحصر ہوگا اس اعتراض کے جواب مین اول تو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ طلاق اور نکاح شریعت اسلامی مین کسی فرد کے پرائیویٹ افعال نہین سمجھے جاتے بلکہ اسکے پبلک افعال ہین اور اسلیے شہادتون کا ہونا ضروری مانا گیا ہے اسی وجہ پر حکومت کو ان امور مین پوری مداخلت حاصل ہے اسکی عملی نظیرین خود ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین پائی جاتی ہین اگر ہندوستان مین قانون طلاق کی بنا ان فیصلجات پر رکھی جاتی اور ان فیصلجات کو جو عموماً ناواقف آدمیونکے قلمون سے نکلے ہوئے ہین اصل شریعت نہ سمجھ لیا جاتا تو ہندوستان کا اسلامی قانون طلاق کچھ اور ہی ہوتا صحیح بخاری مین جو حدیث کی سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے ایسی حدیثین موجود ہین جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ دی ہوئی طلاق کو کالعدم قرار دیکر فریقین کے نکاح کے معاہدہ کو قایم رکھا چنانچہ ایک ایسا واقعہ حضرت ابن عمر کے متعلق ہے اس طرح پر طلاق کو ناجایز قرار دیکر بانی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ فیصلہ ہمیشہ کیلیے کر دیا ہے کہ طلاق کالعدم قرار دیجا سکتی ہے اور حکومت کو اس معاملے مین دخل حاصل ہے یہ غلطی ہوگی اگر ہم یہ کہین کہ انہین وجوہ پر طلاق کالعدم قرار دیجا سکتی ہے جن وجوہ پر خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے کالعدم قرار دیا کیونکہ آپنے تو اپنے فیصلون سے اصول فیصلہ مسلمانونکو بتا دیے ہین اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ ہر قسم کے واقعات آپکی مختصر زندگی مین پیش آکر سب فیصلے یکدفعہ ہی ہو جاتے - جو نتیجہ ان مقدمات سے پیدا ہوتا ہے جو آپکے سامنے آئے وہ یہ ہے کہ آپنے اس امر کو ضروری سمجھا کہ جہان طلاق ناجایز طور پر دیجاوے حکومت اسکو کالعدم قرار دیسکتی ہے مین نہین سمجھ سکتا کہ اس سے بڑھکر کونسی روک ایک آدمی پر ڈالی جا سکتی ہے کہ وہ سوچکر اور کافی وجوہات پر طلاق دے اور بلا وجہ اس ہتھیار کو نہ برتے اسی امر کی تائید مین کہ حکومت کو طلاق کے معاملہ مین مداخلت کا اختیار ہے اور بھی واقعات ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین پیش آئے منجملہ انکے لعان کی صورت بھی ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے یہ دعوے کیا کہ مینے اپنی عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے مگر میرے پاس کوئی شہادت اس امر کی موجود نہین اسپر وحی الہی کی بنا پر جیسا کہ قرآن کریم مین سورہ نور مین وارد ہے آپنے لعان کا حکم دیا جسکا آخری نتیجہ یہ تھا کہ مرد اور عورت الگ الگ کیے گئے اور طلاق واقع ہوگئی - اب اس سوال کے اٹھنے اور اسپر اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ فیصلہ نازل ہونے سے یہ شہادت پیدا ہوتی ہے کہ شریعت اسلام کے رو سے بلا وجہ کوئی مرد کسی عورت کو طلاق نہ دے سکتا تھا - اصل مشکل اس صورت مین یہ تھی کہ اگر مرد اپنی عورت کو زنا کا الزام دیکر اسے طلاق دے تو شہادت کے موجود نہ ہونیکی وجہ سے خود جھوٹا الزام لگانیوالا ٹھہر کر شرعی حد کے نیچے آتا ہے اور ویسے چونکہ اسکا اپنا نفس یقین کر چکا ہے کہ اسکی عورت زانیہ ہے وہ اسکے ساتھ رہ بھی نہین سکتا پس اس مشکل کی صورت مین شریعت اسلام نے لعان کا فتوے دیا ہے جسکی ضرورت اس صورت مین نہ ہوتی اگر طلاق بلاوجہ جایز ہوتی - شاید یہ کہا جائے کہ لعان کا حکم تو حد سے بچنے کے لئے ہے

یعنی اگر مرد حسب منشائے قرآن کریم قسم کھاوے کہ وہ سچا ہے تو اس پر جھوٹا الزام لگانیکی حد قایم نہ ہوگی اور اگر عورت مطابق حکم یہ قسم کھاوے کہ اسپر الزام لگانیوالا جھوٹا ہے تو اسپر زنا کی حد قایم نہ ہوگی۔ یہ بالکل صحیح ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ نتیجہ اسکا آخر طلاق ہے اور اگر بغیر جرم قایم کرنیکے طلاق ہو سکتی تو مرد کو الزام دینے کی ضرورت ہی کیا رہتی اور اسی بنا پر یہ استدلال بھی ہے۔

قرآن کریم سے یہ بھی ثبوت ملتا ہے کہ بعض وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قبل دینے طلاق کے بھی طلاق روکا۔ اور جبتک طلاق کا دینا مجبوری کی حدتک نہین پہنچ گیا طلاق کی اجازت نہین دی۔ میری مراد اس جگہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے معاملہ طلاق سے ہے۔ زید اور زینب مین ایسی نااتفاقی ہوئی کہ آخر زید نے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی تو آپنے جو جوابدیا اسکا ذکر قرآن کریم ان الفاظ مین کرتا ہے:۔ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (الاحزاب ۳۷) ترجمہ جب تم اس شخص (یعنی زید) کو سمجھاتے تھے جسپر اللہ نے انعام کیا (یعنی اسکو مسلمان ہونیکی توفیق دی) اور جسپر تمنے بھی احسان کیا (یعنی اسکی پرورش کی۔ اور پھر زینب سے اسکا نکاح کر دیا) کہ اپنی بی بی زینب کو اپنی زوجیت مین رہنے دے اور اللہ سے ڈر (اور اسکو طلاق نہ دے) مگر جب کوئی صورت اصلاح کی نہ بن سکی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ طلاق کے بغیر کوئی صورت اصلاح کی نہین ہے تو پھر آپنے طلاق کی اجازت دیدی۔ اس جگہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کو روکتے وقت آپنے ساتھ یہ فرمایا کہ اللہ سے ڈرو۔ گویا آپکے نزدیک طلاق ایک بڑا ہی اہم معاملہ تھا کیونکہ اگر اسکے دینے مین انسان کو سخت مجبوری نہ ہو تب تک آپنے اسے جایز نہین سمجھا۔ ان دو واقعونسے یعنی ایک تو حضرت ابن عمر کی طلاق کا معاملہ اور دوسرا زید کی طلاق کا معاملہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ بانی اسلام علیہ السلام کا یہ منشاء تھا کہ حکومت کو طلاق کے معاملہ مین یہ اختیار دیا جاوے کہ اسکی بد استعمالی کو روک سکے خواہ طلاق کے واقع ہونیسے پہلے اسکو روک دینے سے اور خواہ طلاق ہوچکے تو اس کو کالعدم قرار دیکر۔ یہ بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف ایک حاکم کا رنگ ہی نہ رکھتے تھے۔ بلکہ وہ مذہبی پیشوا اور شارع بھی تھے۔

پھر ایک اور روک طلاق کے ناجایز استعمال کو روکنے کیلیے وہ قرار دیگئی ہے جسے قرآن کریم نے نہایت صریح الفاظ مین بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر ایک جھگڑے مین فریقین خود کوئی کارروائی نہ کرین بلکہ دو حکم تنازعہ کے فیصلہ کے لیے مقرر کیے جاوین اور ان کو پورے پورے اختیارات دیئے جاوین۔ جیساکہ فرماتا ہے۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا (النساء - ۳۵) جسکا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تمکو میان بی بی مین فساد کے پیدا ہونیکا

اندیشہ ہو تو ایک پنچ مرد کے کنبے میں سے مقرر کرو اور ایک پنچ عورت کے کنبے سے۔ اگر ان دونوں کا ارادہ اصلاح کا ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی ان دونوں میں موافقت پیدا کر دیگا۔ بیشک خدا علیم و خبیر ہے۔ اس آیت میں ایک ضروری امر فیصلہ طلب یہ ہے کہ تم میں خطاب کسکو ہے یعنی حکم مقرر کون کرے۔ امام شافعی نے اس سے خطاب حکومت کو مراد لیا ہے یعنی حاکم کو چاہیئے کہ وہ پنچ مقرر کرے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں قال الشافعی رضی اللہ عنہ المستحب ان یبعث الحاکم عدلین ویجعلھما حکمین والاولی ان یکون واحد من اھلہ و واحد من اھلھا لان اقاربھما اعرف بحالھما من الاجانب واشد طلبا للصلاح فان کان اجنبیین جاز وفائدۃ الحکمین ان یخلو کل واحد منھما بصاحبہ ویستکشف حقیقۃ الحال لیعرف ان رغبتہ فی الاقامۃ علی النکاح او فی المفارقۃ ثم یجتمع الحکمان فیفعلان ما ھو الصواب من ایقاع طلاق او خلع۔ اسی کی تائید میں حضرت علی کے سامنے ایک ایسے ہی واقع کا پیش ہونا بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم مقرر کرنیوالا حاکم ہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ حضرت علی کے پاس ایک مرد اور ایک عورت آئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی حضرت علی نے حکم دیا کہ ایک پنچ مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے مقرر کیا جاوے۔ جب حکم مقرر ہو گئے تو آپنے انکو فرمایا تم جانتے ہو تمہارے فرائض کیا ہیں۔ تمہارا یہ فرض ہے کہ پہلے دیکھو کہ اگر کوئی صورت اصلاح اور اتفاق کی ہو سکتی ہے تو اتفاق کرا دو اور اگر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ طلاق واقع ہو تو طلاق کرا دو۔

اس واقعہ سے صاف پتہ لگتا ہے کہ قرآن کریم کے حکم کا منشا کیا ہے۔ اب خواہ حاکم خود حکم مقرر کرے یا اسکے حکم کے مطابق کوئی دوسرا مقرر کرے اس سے کچھ فرق نہیں آتا بہر حال حکومت کی مداخلت طلاق کے معاملہ میں ایک صریح اور بین امر ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر مرد کو قطعی اختیار ہر وقت عورت کو طلاق دینے کا ہوتا اور کسی وجہ کی ضرورت نہ ہوتی تو حکم مقرر کرنیکا کیا مطلب تھا۔ حکم تو اسی بات کے دیکھنے کیلیے مقرر کیئے جائینگے کہ آیا اصلاح ممکن ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کس فریق کا قصور ہے اور آیا طلاق ہونی چاہیئے یا خلع اگر مرد کا قصور ہے تو عورت کو مہر پورا دیا جاویگا اور اگر عورت کا قصور ہے تو خلع کی صورت ہوگی یہی طریق اللہ تعالےٰ نے طلاق کے معاملات میں پسند فرمایا ہے۔ اور اسکے مطابق کارروائی ہونے سے مرد اور عورت طلاق میں ناجایز فایدہ اٹھانیسے رک جائینگے۔

پھر طلاق کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ مرد تین طہروں میں عورت کو تین طلاقیں دے۔ اسقدر لمبا عرصہ رکھنے کا یہ منشا ہے کہ اگر کوئی ممکن صورت اصلاح کی ہو تو ہو جاوے۔ کیونکہ بعض وقت جلدی میں

انسان ایک معاملہ کے پس پیش کو نہیں سمجھتا بتدریج طلاق کی تکمیل سے یہ ایک عظیم الشان فایدہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلاف جو فساد کا باعث ہو گئے تھے آخر چند دن بعد خود ہی حقیر معلوم ہونے لگتے ہیں اور طلاق کے نتایج جون جون اسپر زیادہ غور کیا جاویگا بڑے معلوم ہونے لگین گے اور اسلیئے اصلاح کا پورا موقعہ فریقین کو ملجاویگا اسی حکمت پر اللہ تعالے نے یہ فرمایا۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا اِلَّاۤ اَنْ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہٖ ؕ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ + (البقرۃ - ۲۳۰) طلاق دو دفعہ ہے پھر اسکے بعد نیک برتاؤ کے ساتھ زوجیت مین رکھنا چاہیئے (یعنی دو دفعہ طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے) اور یا اگر یہ نہ ہو سکے تو حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا چاہیئے اور جو کچھ تم اپنی بیبیونکو دیچکے ہو اسمین سے تمہین کچھ بھی لینا جایز نہین سوائے اس صورت کے جب اندیشہ ہو کہ میان بی بی خدا کی قایم کی ہوئی حدون پر قایم نہین رہ سکینگے پس اگر تمہین اس بات کا خوف ہو کہ وہ دونون خدا کی باندھی ہوئی حدود پر قایم نہین رہ سکینگے تو اگر عورت طلاق حاصل کرنیکے لیے کچھ مال خاوند کو دیدے تو اُن دونو پر کچھ گناہ نہین یہ خدا کی باندھی ہوئی حدین ہین انکو توڑو نہین جو خدا کی باندھی حدونکو توڑتے ہین وہ ظالم ہین" اس آیت مین علاوہ اس بات کے بیان کرنیکے کہ طلاق دیتے وقت کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے خداتعالے نے یہ بھی خاوند کو حکم دیا ہے کہ طلاق دیتے وقت نہ صرف اس مال مین سے کچھ واپس نہ لے جو وہ عورت کو دیچکا ہے بلکہ چاہیئے کہ اسکو رخصت کرتے وقت احسان سے رخصت کرے یعنی کچھ اور بھی اسکے ساتھ حسن سلوک کرے چنانچہ دوسری جگہ نہ لینے کے متعلق فرمایا ہے۔ وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْہُ شَیْئًا ط (النساء - ۲۰) اگر تم نے بی بی کو بہت سارا مال بھی دیدیا ہو تو بھی اس سے کچھ واپس نہ لینا چاہیئے۔ یہ چھوٹی سی بات نہین کیونکہ ممکن نہین کہ انسان بغیر کسی مجبوری کے عورت کو بھی الگ کرے اور ساتھ اسکے مال بھی دے یہ طلاق کے ناجایز استعمال پر ایک اور روک ہے ۔

علاوہ ازین قرآن کریم بار بار تقوے کی ہدایتون سے بھرا پڑا ہے اور کوئی سچا مسلمان یہ نہین کر سکتا کہ ان ہدایتونکی کچھ بھی پرواہ نہ کرے۔ قرآن شریف مین جس قدر احکام یا اجازتین یا ممانعتین دیگئی ہین وہ سب تقویٰ کی شرط سے مشروط ہین اور دراصل تقویٰ ہی ایک چیز ہے جو انسان کو کمال تک پہنچانیوالی ہے ورنہ اگر تقویٰ نہین تو سخت سے سخت قاعدے اور روکین بھی کچھ نہین کر سکتین۔ خدا کی سچی اور حکیم کتاب نے یہ راہ اختیار نہین کیا کہ چند ظاہری قواعد اور بیرونی پابندیون پر ہی سارا انحصار کر دے کیونکہ صرف اتنی بات سے انسان اس حقیقی پاکیزگی تک نہین پہنچ سکتا جو اسکی زندگی کا اصل مقصد ہے بلکہ جہان کسی قاعدہ کو بیان کیا ہے اسکے ساتھ ہی تقویٰ کی رعایت

کی شرط لگادی ہے تا تقوے کو اختیار کرکے انسان اس قاعدہ یا اجازت کی بداستعمالی سے بچ سکے۔ مذہب اسلام صرف ظاہری قواعد کی پابندی پر خوش نہین ہوتا کیونکہ یہ محض چھلکا ہے بلکہ اصل بات جو وہ چاہتا ہے وہ دل کی حقیقی پاکیزگی اور سچی تقوے اور طہارت ہے جو احکام شریعت کا مغز ہے پس خواہ زندگی کے کسی پہلو کے متعلق کوئی حکم ہو کھانے پینے کے متعلق یا چلنے پھرنے بیٹھنے اٹھنے کے متعلق کام کرنے یا آرام کرنیکے متعلق نکاح یا طلاق کے متعلق ہر ایک حکم کے ساتھ تقوے کی شرط لگا دیگئی ہے۔ اگر انسان تقوے کے ساتھ کوئی کام کریگا تو وہ کبھی خدا کے احکام کو نہ توڑے گا اور نہ کسی نوع کو نقصان پہنچانیکی راہ اختیار کریگا۔ یہ امر کہ ہر ایک امر اور نہی اور اجازت کے ساتھ تقوی کی شرط لگائی گئی ہے قرآن کریم کی خصوصیت ہے اور دنیا کی کوئی اور کتاب خواہ وہ انسانی ہو اور خواہ الہامی ہونیکا دعوے رکھتی ہو یہ خصوصیت اپنے اندر نہین رکھتی۔ پس یہ نہایت ضروری امر ہے کہ جب ہم مثلاً اسلام کے قانون طلاق پر بحث کرین تو اس امر کو مدنظر رکھین کہ اسکا بڑا بھاری پہلو شرط تقوے بھی ہے پس جو شخص تقوے کے خلاف اپنی کسی نفسانی خواہش کیلیئے اس اجازت سے اسکے منشار کے خلاف فایدہ اٹھانا چاہتا ہے وہ اسلام کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اسکی اس خلاف ورزی سے اسلامی قانون طلاق پر کوئی اعتراض وارد نہین ہو سکتا۔ جہان یہ غور کرنا ہے کہ اسلام نے طلاق کی اجازت دی ہے وہان یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ اس اجازت کو کس شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس شرط کو الگ کرکے اسلامی قانون پر اعتراض کرنا حماقت ہے کیونکہ جبتک طلاق کا قانون تقوے کی شرط کے ساتھ مشروط ہے اسکی بداستعمالی رک ہی سکتی۔ اسلام مسلمانون سے نہین چاہتا کہ وہ قرآن کریم کے ایک حصہ پر عمل کرین اور دوسرے حصہ کو چھوڑ دین پس ایک حصہ کو لیکر جو اعتراض کیا جاتا ہے وہ اسلام پر اعتراض نہین بلکہ ان مسلمانون پر اعتراض ہے جو قرآن کریم پر عمل نہین کرتے۔ کسی اصول کی بداستعمالی کے وقت اعتراض اس اصول پر نہین کرنا چاہیئے بلکہ اس شخص پر اعتراض ہوگا جسنے بداستعمالی کی +

ایک اور امر بھی قابل غور ہے طلاق کو قرآن کریم نے تسریح باحسان کے نام سے پکارا ہے یعنی نیکی اور مروت کے ساتھ بی بی کو رخصت کرنا۔ حالانکہ مخالفین جس قسم کی طلاق کی اجازت اسلام مین سمجھتے ہین اسکے ظاہر کرنیکے لیے کوئی ایسے لفظ ہونے چاہیئے تھے جیسے گھر سے نکالدینا یا چھوڑ دینا۔ اب کہنا یہ ہے کہ قرآن کریم تو یہ چاہتا ہے کہ اگر طلاق ہی دینی ہو تو پھر بی بی کو نیکی اور مروت سے رخصت کیا جاوے لیکن اگر کوئی شخص بلا وجہ ایک نیک بی بی کو گھر سے نکالتا ہے تو اسکی اس کارروائی پر احسان کا لفظ کبھی صادق آہی نہین سکتا کیونکہ اس نے تو بجائے نیکی اور مروت کے اسکے ساتھ شرارت اور ظلم کیا۔ چونکہ قرآن کریم کے الفاظ خدائے حکیم کے منہ کے لفظ ہین اسلیئے ان الفاظ مین ہی کتنا بڑے مضمون بھرے ہوئے ہین اور ایک غور کرنیوالی طبیعت جسے خدا رسا ذہن عطا کرے بہت جلد اس نتیجہ پر پہونچ سکتی ہے کہ ایک خاص لفظ کے ایک خاص موقعہ پر رکھنے مین کیا حکمت ہے آخر اس جگہ جو طلاق کا

مفہوم ادا کرنیکے لیے قرآن کریم نے الفاظ تسریح باحسان استعمال کیے تو یہ ایک اتفاقی امر نہین بلکہ ہمین اس مفہوم کے ادا کرنیکے لیے یہ الفاظ رکھے گئے ہین جس مفہوم کا ادا کرنا اس جگہ مقصود ہے۔ جب اللہ تعالے نے طلاق کا نام تسریح باحسان رکھا ہے تو کوئی طلاق اسلامی شریعت کے رو سے صحیح طلاق نہین ہو سکتی جبتک اسمین نیکی اور حسن نہ پایا جائے اور یہ اسیصورت مین ہوگا جب طلاق میان بی بی کے فایدہ کیلیے ہو کیونکہ طلاق مین نیکی صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ کسی ضرر کے دور کرنیکا علاج ہو اور اگر کسی ضرر کا دور کرنا مقصود نہین تو پھر ایسی طلاق تسریح باحسان کے نام سے پکارے جانے کی حقدار بھی نہین پس قرآن کریم کے اس لفظ کو اختیار کرنیسے ہم اس صحیح نتیجہ پر پہونچ سکتے ہین کہ اسلام مین طلاق کی اجازت صرف دفع ضرر کیلیے ہے یہ نتیجہ لفظ احسان سے نکلتا ہے اور اسکی مؤید شہادت لفظ تسریح کے معنو پر غور کرنیسے پیدا ہوتی ہے کیونکہ تسریح کے معنے ہین اونٹون یا چارپائیون کا چراگاہ کیطرف لیجانا۔ اسلیے جب استعارۃً یہ لفظ انسان کے متعلق بولا جائیگا تو اس سے یہ مراد ہوگی کہ ایک انسان کو ایک ضرر کیحالت سے نکالکر اچھی حالت کیطرف لیجانا کیونکہ مویشی جب بھوکے ہوتے ہین تب ہی انکو چراگاہ کیطرف لیجاتے ہین پس اس جگہ لفظ تسریح کے استعمال سے قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ایک عورت جو کسی تنگی یا مصیبت کیحالت مین ہے اسکو اس حالت مین نہین رکھنا چاہئیے بلکہ اسے نیکی اور مروت کے ساتھ رخصت کرنا چاہیئے تا وہ دوسری جگہ نکاح کرکے آرام کے ساتھ زندگی بسر کرسکے پس ہر دو الفاظ یعنی تسریح اور احسان کے معنو پر غور کرنیسے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم یہ ہدایت فرماتا ہے کہ جب مرد اور عورت مین کوئی ایسی صورت تنازعہ کی پیدا ہو جائے جو ان دونون یا ایک کی تنگی اور تکلیف کا موجب ہو تو اس صورت مین طلاق ہی مفید ہے اور طلاق کے بغیر ضرر دور نہین ہو سکتا ان امور پر غور کرنیسے انصاف پسند طبیعتین دیکھ سکتی ہین کہ اسلام پر یہ کسقدر جھوٹا الزام ہے کہ اسلام بلاوجہ طلاق کی اجازت دیتا ہے۔

یہ نتیجہ صرف الفاظ تسریح باحسان کے معنو مین غور کرنیسے پیدا ہوا ہے انسے پہلے جو الفاظ استعمال ہوئے ہین یعنی امساک بمعروف (نیک برتاؤ کے ساتھ زوجیت مین رکھنا) وہ بھی اسکے مؤید ہین اس جگہ قرآن کریم یہ بیان فرماتا ہے کہ جب طلاق کے واقعات پیدا ہو جائین تو تم یکمرتبہ طلاق مت دو بلکہ پہلے دو دفعہ دو طہرو نمین طلاق دو۔ پھر اسکے بعد انسان کے لیے دو راہ کھلے ہین پہلی راہ جو مقدم اور افضل ہے کیونکہ اسی کا پہلے بیان بھی کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ پھر خوب سوچو کہ آیا تم ایسی حالت مین بی بی کو رکھ سکتے ہو اسکے ساتھ نیکی سے برتاؤ کرو یعنی اسپر کسی قسم کا ظلم نہ ہو یا وہ کسی طرح کی تنگی اور تکلیف کیحالت مین نہ رہے اگر یہ ممکن ہے تو یہی راہ اختیار کرو اور اگر یہ نہین کر سکتے تو پھر دوسری راہ تمہارے لیے یہ ہے کہ نیکی اور مروت کے ساتھ اسے رخصت کر دو۔ پہلی شق کو مقدم کرنے اور دوسری کو مؤخر کرنیسے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوسری شق صرف ایسی صورت مین اختیار کرنی چاہیئے جب پہلی ممکن نہ ہو

گویا طلاق تب اختیار کرنی چاہیئے جب میاں بی بی کا برتاؤ نیکی اور سلوک کا نہ رہے جو نکاح کا اصل مقصد حاصل کرنیکے لیے ضروری ہے ایکدوسرے موقعہ پر بعینہٖ ایسے ہی الفاظ مین قرآن کریم نے طلاق کا ذکر فرمایا ہے۔ **فرماتا ہے**۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا۔ (البقرۃ۔ رکوع ۲۹۔ آیت ۲۳۲) ترجمہ جب تمنے عورتونکو دو بار طلاق دیدی اور انکی عدت پوری ہونیکو آئی تو یا تو نیک سلوک کے ساتھ انکو اپنی زوجیت مین رہنے دو یا تکمیل طلاق کرکے انکو نیکی کے ساتھ رخصت کرو مگر ایسی طرح انکو اپنی زوجیت مین نہ رکھو جس سے انکو ایذا پہونچے جسکا نتیجہ یہ ہو کہ تم زیادتی کرنے لگو۔" ان الفاظ مین گویا اللہ تعالے نے طلاق کا فلسفہ بیان فرمایا ہے پہلے یہ تاکید فرماکر کہ انکو نیک سلوک کے ساتھ رکھو پھر دوبارہ یہی عادہ کیا ہے اور تاکیداً فرمایا ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہو کہ تمہارا انکو زوجیت مین رکھنا انکے لیے ایذا دہی کا موجب ہو اور تم ناانصافی کرنیوالے ہو۔ گویا یہ پسند فرمایا ہے کہ بجائے اسکے کہ عورت کو ایسی صورت مین گھر مین رکھا جائے کہ وہ اسکی تکلیف دہی کا موجب ہو۔ بہتر یہی ہے کہ تم انکے ساتھ نیکی کرکے ان کو رخصت کردو۔ گویا کسی صورت مین عورت پر ظلم یا اسکی ایذا دہی روا نہین رکھی اور نہ ہی یہ پسند کیا ہے کہ گھر جو خوشی اور آرام کی جگہ ہونی چاہیئے روز کے جھگڑون اور فساد اور تکلیفون اور ایذا کی جگہ ہو جاوے۔ تین احکام اس ایک آیت مین ہین۔ اول اور سب سے مقدم یہ ہے کہ اگر کوئی فساد پیدا ہو کر دو دفعہ طلاق ہو بھی چکی ہے اور ابھی رجوع کا وقت باقی ہے تو تم رجوع کرلو ایسی صورت مین کہ ان کو نیک سلوک اور فیاضانہ برتاؤ کے ساتھ رکھ سکو یعنے انکے چھوٹے چھوٹے قصورون اور کمزوریون سے درگذر کرو اور چھوٹے چھوٹے اختلافات کو کوئی وقعت نہ دو۔ لیکن اگر یہ نہ کرسکو تو پھر تم انکے ساتھ یہ نیکی کرسکتے ہو کہ احسان کے ساتھ انکو رخصت کردو۔ اور پھر ایکدفعہ فرمایا کہ اصل منشاء صرف یہی ہے کہ عورتونکے ساتھ یا تو نیکی سے سلوک کیا جاوے اور یا اگر کوئی ایسے واقعات پیدا ہوگئے ہین کہ میاں بی بی مین اتفاق اور ایک دوسرے کے ساتھ حسن معاشرت کی کوئی صورت نہین رہی تو پھر طلاق ہی بہتر ہے۔ کیونکہ جب نکاح کی غرض ہی مفقود ہوگئی تو پھر فریقین کو اسبات پر مجبور کرنا کہ وہ ظاہر طور پر اکٹھے رہین حالانکہ دراصل وہ بالکل الگ ہوچکے ہوئے ہین محض ظلم ہے ایسی صورت مین زندگی ایک مصیبت ہو جاتی ہے اور اس دکھ اور تکلیف کا اثر نہ صرف میاں بی بی پر ہی ہوتا ہے بلکہ آیندہ نسل بھی اس سے متاثر ہو کر سوسائٹی کیلیے بجائے مفید ہونیکے مضر ہوتی ہے ایسی ہی صورتونمین قرآن کریم طلاق کا حکم دیتا ہے اور اس حکم مین انسانونکی بہتری اور نیکی اور عفت کا پاس ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اگر اسلام مین طلاق کے متعلق کوئی آزادی ہے جسکا الزام دیا جاتا ہے تو وہ یہی آزادی ہے کہ جب میاں بی بی مین حسن معاشرت کسی صورت مین نہ رہ سکے تو اسوقت انکی علیحدگی کا حکم ہے۔ عیسائیت جو اپنے قانون طلاق پر فخر رکھتی ہے اسنے ایسے موقعہ کیلیئے کونسا علاج تجویز کیا ہے بس یہی کہ مرد اور عورت دونمین جتنا چاہین بعد

اختیار کر چکے ہوئے ہین مگر ظاہری طور پر انکو جکڑ رکھنا چاہیئے خواہ کیسے ہی بد نتائج اس سے پیدا ہون۔

اس غلط فہمی کے سبب جو عموماً اسلام کے قانون طلاق کے متعلق پیدا ہوئی ہوئی ہے مین اس بات کو مکرر بیان کرتا ہون کہ باوجود اس آزادی کے جو طلاق کے معاملہ مین قرآن کریم نے دی ہے اس بات پر اس کتاب حکیم نے بار بار زور دیا ہے کہ جہانتک ممکن ہو اصلاح کی فکر کرنی چاہیئے اور طلاق سے حتے الوسع بچنا چاہیئے۔ خصوصاً مردونکو یہ نصیحت کیگئی ہے کہ اگر انکو خلاف مزاج بھی بعض باتین پیش آجائین تو انہین چاہیئے کہ حوصلہ اور وسعت اخلاق سے انکی برداشت کرین کیونکہ جیسے اللہ تعالے نے ان کو قوی مین مضبوط بنایا ہے تو انکو بھی بڑا حوصلہ دکھانا چاہیئے چنانچہ ایک جگہ عورتون کے متعلق خاوندون کو یہ حکم دیا گیا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ .. فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ط (النساء۔ رکوع ۳۔ آیت ۱۹) اور بیبیونکے ساتھ حسن سلوک سے رہو اور اگر تمکو کسی وجہ سے بی بی ناپسند ہو تو بھی اسکو نیک سلوک کے ساتھ ہی اپنی زوجیت مین رکھو کیونکہ) عجب نہین کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالے اسی مین بہت سی خیر و برکت دے " اب اس آیت مین مردونکو بالخصوص اللہ تعالے نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر ان کو بی بی ناپسند بھی ہو تو بھی وہ اپنی ناپسندیدگی پر غالب آنے کی کوشش کرین اور اگر وہ ایسا کرینگے تو یہی بات انکے لیے خیر و برکت کا موجب ہو جائیگی اور انکی ناپسندیدگی بھی دور ہو جاوے گی۔ پھر اسی سورت مین آگے چلکر فرمایا۔ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا ط وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ط وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ط وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ...... وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ط وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا (النساء۔ رکوع ۱۹۔ آیت ۱۲۸ و ۱۳۰) "اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو ان دونو پر کوئی گناہ نہین کہ آپس مین عمدہ طور پر صلح کرلین اور صلح بہت اچھی چیز ہے اور تھوڑا بہت بخل تو انسان کی طبیعت مین ہوتا ہی ہے (اسکی چندان پروا نہ کرنی چاہیئے) اور اگر ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک کرو اور بعض بے تمیزیون سے بچے رہو تو اللہ تعالے بھی تمہارے تمام کامون سے باخبر ہے (اسکے مطابق ہی تمہین نیک اجر دیگا) ...... اور اگر (میان بی بی مین کوئی صلح کیصورت بن نہ پڑے اور) ایکدوسرے جدا ہو جائین تو اللہ تعالے ان دونو کو غنی کر دیگا (یعنے انکے لیے کوئی بہتر صورت پیدا کر دیگا) اور اللہ تعالے بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے" اسجگہ الصلح خیر کہکر تمام غلط فہمیونکا ازالہ فرما دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالے کے نزدیک بہت پسندیدہ طریق تو یہی ہے کہ صلح ہی کرلیجاوے اور علیحدگی کی اجازت صرف اسیصورت مین ہے۔ جب اصلاح کی کوئی صورت بن نہ پڑے کیا اسقدر صراحت کے باوجود بھی قرآن کریم پر کوئی عقلمند یہ الزام دیگا کہ وہ طلاق کی کھلی اجازت دیتا ہے۔ جب مرد چاہے عورت کو گھر سے باہر نکالدے۔ ہرگز نہین بلکہ جیسا کہ مین

بار بار کہہ چکا ہون اصل منشاء تعلیم قرآنی کا یہی ہے کہ طلاق منع نہین مگر مجبوری کی حالت مین اسے اختیار کرنا چاہیئے۔ ان آیات کے اخیری الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی اجازت اس غرض کیلیئے ہے کہ وہ بہتری کا باعث ہو نہ اسلیئے کہ کسی فریق کے نقصان کا ذریعہ اسے ٹھہرایا جائے کیونکہ اخیر مین یہ فرمایا ہے کہ جب واقعی طلاق کی ضرورت محسوس ہو جائے تو پھر طلاق واقع ہونی چاہیئے کیونکہ اللہ تعالے جو بڑی وسعت اور حکمت والا ہے نئے اور عمدہ تعلق ہر دو کے لیئے ایسے پیدا کر سکتا ہے جو انکی بہتری اور آرام کا موجب ہون اور میان بی بی دونونکو غنی کر سکتا ہے۔ درحقیقت اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر جگہ جہان طلاق کی اجازت دی ہے قرآن کریم نے مقدم اسی بات کو کیا ہے کہ پہلے صلح کی کوشش کرنی چاہیئے اور اگر باہمی اتفاق سے رہنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے تو وہی اختیار کرنی چاہیئے اور طلاق کو ہمیشہ پیچھے بیان کیا ہے تا کلام الہی کا یہ منشاء معلوم ہو جائے کہ طلاق کی اجازت انہین صورتون مین ہے جب صلح کی کوئی صورت بن نہ پڑے چنانچہ اس آیت مذکورہ بالا مین صاف طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ جہان کسی قدر فساد کی صورت پیدا بھی ہو جائے اور فریقین مین بے رغبتی یا ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہو تو بھی پہلے یہی کوشش کرنی چاہیئے کہ صلح ہو جائے کیونکہ افضل صلح ہی ہے۔ پھر جہان دو حکم مقرر کرنیکا حکم دیا گیا ہے وہان بیان ہی یہی کیا ہے کہ وہ فریقین کے درمیان کوئی صلح کی صورت پیدا کرین اور طلاق کا ذکر بھی نہین کیا اگرچہ اس مین کسی کو شک نہین ہو سکتا کہ طلاق بھی انکے اختیار کے اندر ہے پھر جہان تین طلاقین دینے کا حکم دیا ہے وہان بھی دو دفعہ امساک بالمعروف کو ہی مقدم کیا ہے غرضیکہ اسقدر صراحت سے یہ بات بیان کیگئی ہے کہ ایک حق پسند طبیعت کو یقین آجاتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم یہ ہرگز نہین کہ جب چاہے طلاق دیدے بلکہ یہ پاک کتاب طلاق سے اُس حد تک روکتی ہے جہانتک رکنا انسانی طاقت کے اندر ہے۔

یہ تمام شہادت طلاق کے بارہ مین مینے صرف قرآن شریف سے پیش کی ہے اور اسکو پڑھنے کے بعد حاجت باقی نہین رہتی کہ احادیث کا بھی حوالہ دیا جاوے مگر مین مناسب سمجھتا ہون کہ اس بحث کو ختم کرنیسے پہلے دو تین احادیث بھی بیان کر دون ایک حدیث کا حوالہ پہلے بھی دیا جا چکا ہے یعنی ابغض الحلال الی اللّٰہ الطلاق پھر ایک اور حدیث مین آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایما امراۃ سالت زوجھا الطلاق فی غیر ما باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ۔ یعنی جو عورت بغیر کسی ضرر یا تکلیف کے اپنے خاوند سے طلاق مانگے اسپر جنت کی خوشبو حرام ہے پھر ایک اور حدیث مین فرمایا ہے:۔ لعن اللّٰہ الذواقین والذواقات۔ یہی حدیث دوسرے الفاظ مین یون بیان کیگئی ہے:۔ ان اللّٰہ لا یحب الذواقین والذواقات۔ مگر مآل ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالے لعنت کرتا ہے یا محبت نہین کرتا ان مردونسے جو نفسانی خواہشات کیخاطر بار بار نکاح کرتے اور طلاق دیتے ہین اور ان عورتونسے جو نفسانی خواہشات کیخاطر بار بار نکاح کرتی اور طلاق لیتی ہین۔ اس

حدیث کو بیان کرنیکے بعد صاحب حجت البالغہ نے لکھا ہے کہ اس قسم کے مرد اور عورتین زانی اور زانیہ ہوتے ہین۔

ایک اور اعتراض جو اسلام کے قانون طلاق پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اسلامی شریعت کے رو سے عورت کو طلاق لینے کا کوئی حق حاصل نہین۔ اسلام مین جس قدر صراحت سے عورت کے حقوق اس معاملہ مین مذکور ہین انکے ہوتے ہوئے ایسی غلط فہمی کیونکر پیدا ہو گئی اسکا مین کچھ جواب نہین دیسکتا مگر تعجب یہ ہے کہ مسٹر داس جسین باوجود اپنے اسلام کے بلکہ اسلام کی ترقی کے حامی ہونیکے دعوے کے بھی یہ کہتا ہے کہ جہان اسلامی قانون طلاق مرد کو کھلی اجازت طلاق کی دیتا ہے۔ عورت کو خواہ اسپر کتنا ہی ظلم ہو ایسا حق نہین دیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو تمام اسلامی مسایل سے ایک سی ہی ناواقفیت ہے پھر یہ کسقدر حماقت ہے کہ باوجود جہالت کے اعتراض پر اعتراض کیے چلے جاتے ہین اعتراض سے پہلے کسیقدر قرآن شریف اور حدیث شریف سے واقفیت تو پیدا کرلی ہوتی۔ اس اعتراض کی تردید کیلیے اگر اور کوئی ثبوت ہم نہ بھی دین تو وہی احادیث کافی ہین جن کے حوالے اس سے پہلے فقرہ مین دیئے جا چکے ہین مثلاً اسی حدیث پر غور کرو کہ:- ایما امراۃ سالت زوجہا الطلاق فی غیر ما باس فحرام علیہا رایحۃ الجنۃ یعنی جو عورت بغیر کسی ضرر یا تکلیف کے اپنے خاوند سے طلاق طلب کریگی اسپر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو طلاق مانگنے کا حق حاصل ہے اور اگر بلاوجہ وہ طلاق لے سکتی ہے جسکی ممانعت اس حدیث مین کیگئی ہے تو کافی وجہ کے ہوتے ہوئے اسے طلاق لینے سے کونسی چیز مانع ہوسکتی ہے ایسا ہی دوسری حدیث مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ لایحب الذواقین والذواقات۔ اس مین جیسے ان مردونکو ملامت اور ممانعت کی گئی ہے جو بلاوجہ بار بار طلاقین دیتے اور نکاح کرتے ہین ایسا ہی ان عورتون کو بھی ملامت اور ممانعت کی گئی ہے جو بلاوجہ بار بار طلاقین لیتی اور نکاح کرتی ہین اس حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ناجائز استعمال طلاق کا مرد کرسکتے ہین ایسا ہی عورتین بھی کرسکتی ہین اور ذواقین اور ذواقات کے متعلق ایک ہی حکم بیان فرمایا ہے۔ اس سے بڑھکر وضاحت اور کونسے الفاظ سے ہوسکتی ہے اگر عورتین طلاق نہ لے سکتین تو یقیناً ان عورتونکا وجود ہی دنیا مین نہ ہوتا جنکو ذواقات کے نام سے پکارا گیا ہے مگر حدیث شریف کے الفاظ مردون اور عورتونکو ایک ہی حیثیت مین بیان کرتے ہین جس سے نہایت صفائی سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ جیسے مردونکو ضرورت اور مجبوری کے وقت طلاق دینے کا حق شریعت اسلام نے دیا ہے ویسے ہی عورتونکو بھی ضرورت اور مجبوری کیوقت طلاق لینے کا حق دیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر ان صورتون مین جب طلاق کی صورت پیدا ہوسکتی ہے اسلام نے وہ راہ تجویز کیا ہے جس سے کلی اختیار نہ مرد کے ہاتھ مین رہتا ہے نہ عورت کے ہاتھ مین۔ طلاق کی کثیر وجوہات آخر مرد و عورت مین ناتفاقی کی صورت پیدا کرتی ہین اور اگر ناتفاقی کوئی نہین تو طلاق کی ضرورت بھی پیش نہین آئیگی مگر ناتفاقی کیصورت مین

قرآن کریم نے نہایت صاف الفاظ مین یہ فرمادیا ہے کہ حَکَم مقرر کرنے چاہیئے جن مین سے ایک مرد کے کنبہ سے ہو اور ایک عورت کے کنبہ سے اور انہین کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا جیسا کہ اس مقدمہ طلاق سے بھی ثابت ہوتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے سامنے آیا تھا جس مین آپنے حکم مقرر ہو جانیکے بعد مرد اور عورت دونوںکو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ اب جو فیصلہ حکم کرین خواہ وہ صلح کا ہو اور خواہ طلاق کا تم دونوںکو قبول کرنا ہوگا۔ اب یہ طریقہ حکم مقرر کرنیکا کئی وجوہ کے لحاظ سے نہایت ہی پسندیدہ طریق ہے کیونکہ اول تو مرد و عورت دونوںکے اختیار پر ایک روک واقع ہو جاتی ہے اور کلی طور پر انکے ہاتھ مین یہ بات نہین رہتی بلکہ جو حکم مقرر کیے جاوین انکے ہاتھ مین کل اختیار آجاتا ہے اور اس سے طلاق کے قانون کی بد استعمالی بڑی حد تک رک سکتی ہے۔ دوسری طرف عدالتو مین چارہ جوئی کرنیسے دونون فریق بچ جاتے ہین اور اسلیے صلح کی امید بھی زیادہ ہوتی ہے اور اخراجات عدالت سے بھی سبکدوشی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک روزمرہ تجربہ کی بات ہے کہ جونہی خانگی تنازعہ کیصورت سے نکلکر ایک تنازعہ کی نوبت عدالت تک پہنچتی ہے تو فریقین ایکدوسرے کے خلاف قانونی ثبوت پیدا کرنیکے لیے ہر طرح کے حیلوں سے کام لیتے ہین جس سے کدورت باہمی اور بھی بڑھ جاتی ہے اور اصلاح قریبًا ناممکن ہو جاتی ہے۔ تیسرا فایدہ یہ ہے کہ حَکَم خاوند اور عورت کے کنبہ مین سے ہونگے سبب اصلی واقعات سے زیادہ باخبر بھی ہونگے اور انکا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوگا جس سے ہر دو فریق کی بہتری مقصود ہو کیونکہ وہ اس امر پر عدالت کی طرح مجبور نہین کہ کسی قانونی نکتہ پر فیصلہ کا مدار رکھین بلکہ عام اغراض نکاح اور فریقین کی بہتری کو مدنظر رکھکر عمدہ فیصلہ کر سکتے ہین اب یہ کسقدر جھوٹ ثابت ہوا۔۔۔کہ مرد کے ہاتھ مین ہی کل اختیار طلاق کا ہے اور عورت بالکل بیدست و پا ہے مین یقین کرتا ہون کہ کوئی سمجھدار آدمی ان باتونسے واقفیت حاصل کرنیکے بعد کبھی اسلام پر ایسا بیہودہ اعتراض نہین کریگا۔

اس سے بھی صاف لفظ قرآن شریف مین اور موجود ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مرد اگر عورت کیطرف سے بے رغبتی کرے یا اسپر ظلم کرے یا جھگڑے اور فساد کی صورت ہو تو عورت طلاق لے سکتی ہے ان آیات کا جنہین یہ ذکر ہے پہلے ایک اور بحث کرتے ہوئے حوالہ دیا جا چکا ہے مگر اس مضمون کی اہمیت کیخاطر مین انکو دوبارہ نقل کرتا ہون۔ اللہ تعالےٰ اپنی حکیم کتاب مین فرماتا ہے۔ وان امراۃ خافت من بعلہا نشوزًا او اعراضًا فلا جناح علیہما ان یصلحا بینہما صلحًا والصلح خیر۔ اور اسکے بعد فرماتا ہے۔ وان یتفرقا یغن اللہ کُلًّا من سعتہ۔ (النساء۔ رکوع ۱۹۔ آیت ۱۲۸۔۔۱۳۰) ان آیات کا ترجمہ حافظ نذیر احمد نے ان الفاظ مین کیا ہے "اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میان بی بی دونون مین کسی پر کچھ گناہ نہین کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر آپس مین صلح کرلین اور صلح بہر حال بہتر ہے۔۔۔۔۔
اور اگر میان بی بی مین اصلاح کی کوئی صورت نہ بن پڑے اور ایکدوسرے سے جدا ہو جائین تو اللہ اپنے خزانہ غیب

سے بے نیاز کر دیگا" اس جگہ اللہ تعالے نے وہ صورت بیان کی ہے جب مرد کی طرف سے زیادتی ہو یا بے رغبتی ہو اور یہ ارشاد فرمانے کے بعد کہ پہلے کوئی صلح کی تجویز کرین کیونکہ صلح ہی بہتر ہے فرمایا کہ اگر صلح نہین ہو سکتی تو پھر انکے حق مین طلاق ہی بہتر ہے اور طلاق سے اللہ تعالے دونوںکے مفید مطلب کوئی صورت پیدا کر دیگا۔ اب اس سے صریح نص عورتونکے حق طلاق پر اور کیا ہو سکتی ہے کیونکہ ان الفاظ مین وہی صورت اللہ تعالے نے بیان فرمائی ہے جب عورت پر زیادتی ہو اور اسکا اخیر علاج طلاق ہی بتایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے حدیث تو ایک طرف رہی مسٹر ولاور حسین کو کبھی قرآن شریف پڑھنے کا اتفاق بھی نہین ہوا۔ پھر یہ کیسی حماقت ہے کہ قرآن شریف کے قانون طلاق کی بجائے جس مین عورتونکے لیے چارہ جوئی کی ویسی ہی راہ موجود ہے جیسے مرد کیلیے معترض مسلمانونکے لیے انگریزی قانون طلاق پسند کرتا ہے جسمین عورت پر خواہ کتنا ہی ظلم ہو اسے طلاق کا حق نہین پہنچتا۔ اسلام پر یہ بیجا اور جھوٹا اعتراض کہ عورت پر تشدد اور ظلم کیحالت مین بھی عورت کو طلاق نہین مل سکتی اور عیسائیت کی یہ بیجا اور جھوٹی تعریف کہ اسکا قانون طلاق عمدہ ہے یہ کس قسم کا اسلام ہے۔

اس مفصل بحث کے بعد کچھ ضرورت باقی نہین رہی کہ مین ان تمام نظایر کو پیش کرون جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین وقوع مین آئین اور جن کا تذکرہ اتفاقاً احادیث مین آگیا ہے اتنا کہدینا کافی ہے کہ ناموافقت مزاج تشدد اور ظلم وغیرہ اسباب کیوجہ سے عورتین طلاق حاصل کر سکتی تھین کیونکہ یہ حق صاف الفاظ مین انکو قرآن کریم مین دیا گیا تھا اور خود وہ حدیثین جو عورتون کو قانون طلاق کے ناجایز استعمال سے روکتی ہین یہی ثابت کرتی ہین۔ نہ ہی مینے کھینچ تان کر یہ منشاء قرآن کریم کے الفاظ سے نکالا ہے بلکہ صاف اور سیدھے الفاظ ہین جن کا ترجمہ خود انگریزون اور دوسرے لوگون نے یہی کیا ہے اور تمام مسلمان فاضلون کا ہمیشہ سے اسی بات پر اتفاق رہا ہے۔ یہ بھی سچ نہین کہ عورت بغیر قاضی کے طلاق حاصل نہین کر سکتی بلکہ عموماً ایسے واقعات طلاق کے عدالتون سے باہر ہی ہوتے تھے اور ہوتے ہین چنانچہ خلع کے باب مین صحیح بخاری مین یہ صاف الفاظ موجود ہین کہ واجاز عمر الخلع دون السلطان یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے خلع کی اجازت بلا وساطت سلطان یعنی حاکم کے دی۔ قرآن کریم مین اسکے متعلق صرف وہی احکام موجود نہین جو اوپر ذکر کئے گئے بلکہ بہت جگہ اس مضمون کو اس پاک کتاب نے ادا فرمایا ہے۔ اور اسی لیئے کسی مسلمان نے آجتک اس مسئلے مین اختلاف نہین کیا سوائے ایسے اختلافات کے جو ناواقفیت سے پیدا ہوا ہو۔ چنانچہ کہین تو یہ فرمایا کہ عاشروھن بالمعروف بیبیونکے ساتھ بہت نیکی کا سلوک کرو اور کہین یہ حکم دیا وامسکوھن بمعروف یعنی اگر عورتونکو اپنی زوجیت مین رکھو تو نیک برتاؤ کے ساتھ رکھو۔ اور پھر فرمایا ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ ولا تتخذوا ایٰت اللہ ھزوا۔ (البقرہ۔ رکوع ۲۹۔ آیت ۲۳۲) اور ایذادہی کیلیے انکو اپنی

زوجیت مین نہ رکھنا کہ انپر زیادتی کرنے لگو اور جو ایسا کریگا وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو" اس جگہ قرآن کریم متنبہ فرماتا ہے کہ یہ جو احکام عورتونکے متعلق دیئے گئے ہین یہ کوئی ہنسی کھیل نہین کہ انکی خلاف ورزی پر گرفت نہ ہو گویا مسلمانونکو ہدایت فرماتا ہے کہ ان احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے اور جو کوئی خلاف ورزی کرے اسے مستوجب سزا قرار دیا جاوے۔ پس قرآن کریم کے نزدیک یہ امر سخت ممنوع ہے کہ عورتونکو ایسی صورت مین رکھا جاوے کہ انپر کسی قسم کا ظلم یا تشدد ہو یا انکو کسی طرح ایذا دیجاوے ایسی صورت مین اگر حسن سلوک کا برتاؤ کسی طرح ممکن نہ ہو تو طلاق کا حکم ہے۔ ایسا ہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام۔ یعنی اسلام روا نہین رکھتا کہ کسی انسان کو کسی طرح کا دکھ دیا جاوے۔ پس جب دوسرے انسانونکو دکھ دینے سے روکا گیا ہے تو بیبیان سب سے پہلے حقدار ہین کہ انکو دکھ نہ دیا جاوے بلکہ یہانتک فرمایا ہے کہ خیرکم خیرکم باھلہ۔ یعنی اچھا وہی ہے جو اپنے اہل سے اچھا ہے۔ میری سمجھ مین بالفعل اسقدر بحث اس مضمون پر کافی ہے ضرورت ہوئی تو آیندہ اور بحث اسپر کی جاوے گی +

اسلام

(بجواب سیل صاحب)

پادری سیل صاحب جنہون نے کتاب "فیتھ آف اسلام" یعنے مذہب اسلام لکھی ہے اب پھر بیدار ہوئے ہین اور ایک سلسلہ مضامین کا اسلام پر مدراس کرسچین کالج میگزین مین شروع کیا ہے اس سلسلہ کے دو مضامین ہمنے پڑھے ہین اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پادری صاحب نے اسی اندھے تعصب سے اس مضمون مین کام لیا ہے جو ہمیشہ سے انکے پیشہ کا رویہ رہا ہے اور وہی اعتراض اس مضمون مین دوبارہ لکھے ہین جن کا نہ صرف مسلمانونکی طرف سے جواب ہو چکا ہے بلکہ جنکی غلطی کو اس زمانہ مین خود عیسائی محققین بھی تسلیم کر چکے ہین اس مضمون مین پادری صاحب نے یہ دعوے کیا ہے کہ عرب کیحالت مین ایک عظیم الشان تبدیلی واقع ہونیکے سامان پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کوئی ایسی بات نہین لائے جو پہلے سے موجود نہ ہو اور یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان مورخین آپکی بعثت سے پہلے زمانہ کو

ایام جاہلیت کہنے میں غلطی پر ہیں۔ ابتدائے مضمون میں وہ لکھتا ہے "مسلمان مورخ عرب میں (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی آمد سے پہلے زمانے کو ایام جاہلیت کے نام سے پکارتے ہیں اور یوں اس کا مقابلہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانہ کے ساتھ کرتے ہیں جو انکا دعوے ہے کہ آپکے وجود سے عرب میں آئی لیکن عیسائی اور یہودی حاکموں کے ماتحت عرب کے بعض حصے ایسے ہی مہذب تھے جیسے کہ بعد میں وہ کبھی ہوئے ہوں۔ بنی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے دو صدیاں عربوں کا واسطہ یہودیوں سے پڑ گیا تھا اور ایک ناقص عیسائیت نے بھی تہذیب کا نیک اثر ان پر ڈالا تھا۔ فن تحریر کا علم انکو حاصل تھا اور فن شاعری اپنے اوج پر تھا۔ اسلام سے پہلے کے اشعار اعلے درجہ کی قابلیت اور کمال شاعری ظاہر کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ تاریخ اور فلسفہ اور علوم کی دوسری شاخوں میں زبان عربی کا وسیع استعمال اسلام کے سبب سے ہوا مگر یہ خیال غلط ہے کہ ان ایام میں جن کو غلطی سے ایام جاہلیت کہا جاتا ہے کوئی عربی علم ادب موجود نہ تھا" ایسا ہی اسی مضمون کے اثنا میں متفرق مقامات میں وہ لکھتا ہے کہ "توحید کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہ تھا جو (حضرت) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہی عرب میں پھیلایا ہو اور پہلے اسکے کسی کو اسکا علم بھی نہ ہو۔ اگر آپ یہودیوں سے نہ ملے ہوتے تو یہ امر مشکل ہے کہ پھر بھی آپ کی تعلیم توحید ایسی ہی زبردست ہوتی۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ یہودیوں کے تعلقات سے آپکی طبیعت کا شامی میلان ترقی کر گیا۔ اسلام اس امر کا دعوے کرتا ہے کہ اسکی بنا اللہ تعالے کی خاص وحی ہے مگر درحقیقت اس مذہب نے اپنے آپ کو عربوں کے پرانے قصوں اور رواجوں پر اور ایسے دوسرے امور پر جنکے ماخذ یہودی اور عیسائی تھے قایم کیا۔ (حضرت) محمد (مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے عرب نہ تھے جنہوں نے بت پرستی کے خلاف وعظ کیا ہو اور خدا تعالی کی توحید کا اقرار کیا ہو کیونکہ آپکے ظہور سے تھوڑے ہی دن پہلے ان لوگوں نے جنکو حنیف کہا جاتا ہے ابراہیمی مذہب یا ملت میں اطمینان پایا تھا۔ انمیں سے بعض تو عیسائی ہو گئے اور بعض موحد رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پچھلے ایام میں یہ دعوے کیا تھا کہ آپ کا مشن یہ ہے کہ عربوں کو انکے جداعلے یعنے حضرت ابراہیم کے مذہب پر قایم کریں۔ چھٹی صدی کے آغاز میں عربی سوسائیٹی کی حالت فی الجملہ لامذہبی کی سی تھی اور پولٹیکل طور پر اسکے اجزا کے الگ الگ ہو جانیکا خطرہ بہت ہی قریب نظر آتا تھا۔ آپنے یہ دیکھا کہ صرف ایک نئی مذہبی بنا پر ہی ملک میں اتفاق اور مضبوطی پیدا ہو سکتی ہے خواہ کچھ ہی ہو یہ بہت ضروری معلوم ہوتا تھا کہ مکہ نئے زمانہ کا نہ صرف مذہبی مرکز ہی ہو بلکہ قومی مرکز بھی ہو۔ یہ تھی سوسائیٹی کی حالت جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حنیفوں کے خیالات سے متاثر ہو کر اور کم و بیش یہودیوں کے خیالات سے واقفیت حاصل کر کے یہ محسوس کیا کہ آپ پیام رسالت کے پہونچانے کیلیے بلائے گئے ہیں"

یہ وہ باتین ہین جن کے وجود قبل از بعثت نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پادری سیل صاحب اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ عربی سائیٹی مین خود بخود ہی وہ حالات پیدا ہو گئے تھے جو عرب کیحالت مین تبدیلی کرنیکا موجب ہوئے جسقدر اعتراض ان عبارتو نمین آئے ہین اُن مین سے ضروری ضروری اعتراضونکو لیکر مین ان پر بحث کرونگا۔سب سے اول تو پادری سیل صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ آپکی بعثت سے پہلے زمانہ کو زمانہ جاہلیت کیون کہا جاتا ہے اسکے نزدیک اس زمانہ مین عرب کے اندر تہذیب اور روشنی موجود تھی اور دلیل اس کی یہ ہے کہ عرب لوگ شاعری مین کمال رکھتے تھے اور فن تحریر سے بھی اُنکو واقفیت تھی مگر سب سے بڑھکر یہ کہ ایک ناقص عیسائیت کے نیک نمونہ اور تہذیب کے اثر کے نیچے وہ آچکے تھے۔پادری صاحب کو بڑا دھوکہ لگا ہوا ہے (اور اگر وہ خود دھوکہ خوردہ نہین تو عمداً لوگونکو دھوکہ دے رہے ہین) کیونکہ وہ تہذیب کا معیار عمدہ شاعری کو ٹھہراتے ہین۔شاعری کا پرجوش شوق اور دوسرے تمام علوم سے ناواقفیت تو اس بات کا ثبوت ہے کہ قوم ابھی تک بچپن کے زمانے مین ہے اور تہذیب سے اس نے حصہ نہین لیا۔تمام اقوام قبل اسکے کہ وہ مہذب کہلانیکا حق رکھین ان حالتون سے ہو گذری ہین جس حالت مین اسلام سے پہلے عربی سوسائیٹی تھی مگر پادری صاحبان کا منطق بھی الگ ہی ہے کہ خود اس بات کو تسلیم کرکے کہ علوم کی کسی شاخ مین بھی انکو دسترس نہ تھا صرف انکی شاعری سے انکے اعلے درجہ کے مہذب اور روشن خیال ہونیکا نتیجہ نکالتے ہین اور یہ بھی نہین سوچا کہ ان اشعار کی زبان خواہ کیسی ہی خوبصورت ہو مگر اسکا دائرہ اسی حد تک محدود تھا جس حد تک ایسے انسان کا خیال جاسکتا ہے جسنے ابھی تہذیب سے حصہ نہین لیا۔کیونکہ ان مین یا تو میدان جنگ کی بہادریونکی تعریف ہے یا کسی کی فیاضی اور مہمان نوازی کی یا گھوڑون اور اونٹونکی یا خشک پہاڑیون اور ریتیلے جنگلونکے سنسان نظارے اور یا عورتون کی خوبصورتی۔

اس بات کے ثابت کرنیکے لیے کہ اسلام سے قبل عرب مین تہذیب کی روشنی موجود تھی اور ویسی ہی موجود تھی جیسے اسلام کے بعد جیسا کہ پادری صاحب کا خیال ہے انکا یہ فرض تھا کہ یہ ثابت کرتے کہ علوم مین عربونکی ترقی اس درجہ تک پہونچی ہوئی تھی۔تمدن اور معاشرت مین یہ یہ عجیب قوانین انکے ہان موجود تھے۔ملکی حالات انکے فلان اعلے اصول پر مبنی تھے اور مذہبی پہلو مین وہ اس علو تک پہنچ چکے تھے۔اگر وہ ان باتو پر غور کرتے جنکا ہونا تہذیب کے لئے ضروری ہے اور پھر اسکے بعد عرب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے تو اپنے دعوے بے دلیل کی بیہودگی کے خود ہی قایل ہو جاتے اور انکو پتہ لگ جاتا کہ تہذیب کے معاملہ مین عربونکی حالت نہایت پستی مین تھی یہ مین اس سے انکار نہین کرتا کہ ان مین کوئی بھی نیک اخلاق یا عمدہ وصف نہ پائے جاتے تھے کیونکہ مہمان نوازی۔آزادی کی محبت۔دلیری اور جوانمردی۔قومی وفاداری۔فیاضی۔اور سخاوت وغیرہ کئی اوصاف مین وہ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے مگر فرداً فرداً ان اوصاف کے پائے جانیکا نام تہذیب نہین رکھا جاسکتا اور علاوہ برین جہان یہ نیکیان

موجود تھیں اس کے ساتھ ہی وہ بدیاں بھی تھیں جو انکے نیک اثر کو کالعدم کر دیتی تھیں۔ اگر کسی غریب مسافر کے
ساتھ اعلےٰ درجہ کی مہمان نوازی کا سلوک ہوتا تھا اور عزیز سے عزیز چیز بھی اسکی خاطر قربان کر دیجاتی تھی تو دوسری
طرف یہ بات بھی موجود تھی کہ ایک بے گناہ راہ چلنے والیکو وہ لوٹ لیتے تھے اور اسکے کپڑے تک بھی نہ چھوڑتے تھے
اگر قومی وفاداری کا وصف پایا جاتا تھا تو ساتھ ہی یہ عیب بھی تھا کہ ایک فرد کو ذرہ سا نقصان پہنچنے پر قومیں
جنگ ہو جاتی اور جبتک انمین سے ایک صفحہ ہستی سے نابود نہ ہو جاتی جنگ کا خاتمہ نہ ہوتا تھا ایسا ہی کینہ وری
مین وہ لوگ حد سے گذرے ہوئے تھے۔ مگر ان باتوں سے کسی قوم کے مہذب یا غیر مہذب ہونیکا فیصلہ نہیں ہو سکتا
یہ نیک اوصاف اس اندھیری رات مین جو اسلام سے پہلے ملک عرب پر چھائی ہوئی تھی روشنی کی نہایت ہی
کمزور شعاعوں کی طرح کبھی نظر آجاتے تھے اور کبھی پھر نظر سے گم ہو جاتے تھے۔

علوم اور فنون کے متعلق تو شاید پادری سیل صاحب کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سوائے شاعری کے
جو تمام جاہل قومونمین پائی جاتی ہے وہ قطعاً جاہل تھے۔ فن تحریر ان مین تھا مگر کبھی ضروری واقعات کو معرض
تحریر مین نہیں لایا گیا اور علم تاریخ کے موٹے سے موٹے مفہوم کو بھی وہ نہ سمجھتے تھے سوائے اسکے کہ شعرونمین
کسیقدر نام یا واقعات تاریخی یا نسب نامے وغیرہ محفوظ رہ گئے ہین اور انکے محفوظ رہنے کی وجہ بھی انکا تحریر مین
آنا نہیں بلکہ قوت حافظہ کا زبردست ہونا ہے جسکی وجہ سے ہزارون ہزار شعر عام طور پر انکے درمیان شہرت
پا گئے تھے اور ضایع ہونیسے بچ رہے تھے۔ جہانتک مجھے علم ہے ایام جاہلیت کی ایک بھی نثر کی تصنیف نہیں
پائی جاتی۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ ہیئت وغیرہ تمام علوم سے وہ محض نابلد تھے اور جس طرز پر انکی زندگی واقع ہوئی تھی
ان علوم سے انکا واقف ہونا بھی مشکل ہی تھا۔

اسکے بعد اب یہ امر غور کرنیکے قابل ہے کہ آیا عرب جاہلیت کی پولٹیکل حالت ایسی تھی کہ ہم اسے ایک مہذب
ملک کہہ سکین یا کم از کم جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ملک تہذیب کا اثر قبول کرنیکے لیے تیار تھا۔ اس ملک مین باقاعدہ گورنمنٹ
کوئی نہ تھی اور نہ کوئی انتظام یا امن کی صورت ہی تھی۔ ہر ایک قوم مین ایک الگ سردار تھا اور وہ بھی صرف
اس غرض کیلیے کہ دوسری قوموں سے لڑائی کیوقت وہی انکو آگے لیجانیوالا ہو حقیقی معنوں مین کوئی گورنمنٹ موجود
نہ تھی۔ انکا قانون طاقت ہی تھا اور جو شخص تلوار چلانے مین افضل ہوتا اسی کی بات بھی مانی جاتی تھی لیکن ایک
فرد سے لیکر کل قوم تک حکومت کا جوا نہ اٹھا سکتے تھے اور آزاد ہی رہنا چاہتے تھے باہمی اقوام مین جنگونکا سلسلہ
جاری رہتا تھا۔ اور کوئی صورت ایسی نہ تھی جس سے یہ امید ہو سکے کہ یہ اقوام کبھی ایک ہو کر تہذیب کے اثر کے
نیچے آنیکو تیار ہین ولیم میور جو ایسا ہی متعصب عیسائی اور اسلام کا ایسا ہی پکا دشمن ہے جیسے سیل مگر تاریخی
واقعات کے قبول یا رد کرنے مین موخر الذکر سے بہت زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہے۔ وہ بھی اپنی سوانح عمری آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے دیباچہ مین لکھتا ہے کہ "سب سے پہلی خصوصیت جو ہماری توجہ کو کھینچتی ہے وہ عربون کا بنئیاً جتھوں مین تقسیم ہونا ہے جو ایک ہی زبان کے بولنے والے اور اپنے حالات اور اطوار مین قریبًا یکسان ہین مگر ہر ایک بجائے خود خود مختار ہے کبھی اپنی حالت پر قانع نہین اور اکثر ایکدوسرے کے ساتھ جنگ مین مشغول ہین بلکہ جہان رشتہ داری کی وجہ سے یا کسی فائدہ کی غرض سے ایک قوم کے دوسری سے تعلقات بھی پیدا ہوئے ہین وہان بھی چھوٹی چھوٹی باتو نپر تعلقات کو قطع کرنے اور جنگ کرنے کیلیے ہر وقت تیار بیٹھے ہین یہی حالت اسلام کے زمانہ تک چلی آئی ہے کہ کبھی کوئی سی دو قومون مین باہم اتفاق ہوا ہے بھی تو چند ہی دنون مین ہی وہ خطرناک جنگ مین مبتلا ہوگئی ہین اور تمام کوششین جو اسلام سے پہلے انکے ایک کرنیکے لیے کی گئین وہ بے سود اور ناکام ثابت ہوئین" اسکے بعد اب غور کرنا چاہیئے کہ وہ کیسی عظیم الشان طاقت تھی جس نے ان سب بکھرے ہوئے اجزا کو یون ایک کیا کہ گویا وہ کبھی الگ تھے ہی نہین۔ چنانچہ اس وحدت کو اللہ تعالے نے قرآن کریم مین اپنی عظیم الشان نعمتون مین سے ایک نعمت کیطور بیان فرمایا ہے جیساکہ وہ فرماتا ہے:- وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ط - (آل عمران - رکوع ۱۱ - آیت ۱۰۳) یعنے اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم ایکدوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلون مین الفت پیدا کی اور تم اسکے فضل سے بھائیونکی طرح ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تھے (یعنی ہمیشہ کیلیے باہمی خانہ جنگیون مین مبتلا رہتے تھے) اب خدا نے تمکو اس سے بچالیا۔

مگر اصل بات یہ ہے اور سیلؔ صاحب اس سے ناواقف نہین بلکہ وہ عمدًا اسکے بیان کرنیسے اعراض کرتا ہے کہ جب مسلمان مورخین زمانہ قبل بعثت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایام جاہلیت کے نام سے پکارتے ہین تو انکا منشاء یہ بیان کرنیکا ہوتا ہے کہ عرب لوگ اخلاقی اور تمدنی قوانین سے محض نا آشنا۔ اور حقیقی مذہب سے جاہل تھے اور علوم فنون کی ناواقفیت مقصود بالذات نہین اگرچہ وہ بھی اسمین شامل ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھکر شاید سیلؔ صاحب کو بھی انکار نہ ہوگا کہ وہ اس زمانہ کو زمانہ جاہلیت کے نام سے پکارنے مین بالکل حق پر ہین۔ شاعری نے انکو اخلاقی یا تمدنی قوانین نہین دیدیئے تھے اور نہ ہی شعرگوئی سے انکی مذہبی جہالت دور ہوگئی تھی۔ خود پادریصاحب کو اقرار ہے کہ عربون مین زندہ لڑکی کو دفن کرنیکی وحشیانہ رسم جاری تھی اور ایک ایک عورت کا کئی خاوندونسے تعلق ہوتا تھا۔ عرب مین قوانین نکاح کے متعلق یہ سے درجہ کی آزادی تھی نہ نکاح کرنیمین کوئی روک تھی اور نہ طلاق دینے مین کوئی روک تھی۔ خاوند جب چاہتا عورت کو چھوڑ سکتا تھا۔ عورتونکی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ اور بعض وقت انسے جو سلوک ہوتا تھا وہ انسان سمجھکر نہ ہوتا تھا بلکہ انکو جائیداد کا ایک حصہ تصور کرلیا جاتا تھا۔ اور باقی جایداد کے ساتھ وہ ورثہ مین جاتی تھین۔ اور وارث اگر چاہتا تو .... انسے نکاح کرلیتا۔ خواہ وہ اس بات پر رضامند ہون

یا نہ ہون۔اسی قبیح رسم سے وہ وحشیانہ رسم بھی پیدا ہو گئی تھی یعنی بیٹے کا باپ کی عورتوں سے نکاح کر لینا جسکے روکنے کے لیے قرآن شریف کو حرمت علیکم امہاتکم کہنا پڑا۔زنا کی کثرت حد سے گذری ہوئی تھی۔شراب خوری ایسی عام تھی جیسے اس زمانہ مین انگلستان مین ہے قمار بازی کی یہ حالت تھی کہ جائداد کو ہار دینے کے بعد اپنی آزادی بدنے سے بھی دریغ نہ کرتے اور غلامی اختیار کرتے تھے مین سیل صاحب سے پوچھتا ہون کہ کیا یہ سوسائیٹی اس قابل ہے کہ اسکا نام سوسائیٹی رکھا جاوے چہ جائیکہ اندھے تعصب سے اسکو مہذب سوسائیٹی کہا جاوے۔پادری صاحب کو جاہلیت کے عربوں سے کچھ مناسبت معلوم ہوتی ہے جو آپ اسقدر انکی حمایت مین تاریخ اور اپنے ہی بھائیوں کی تحریرونکو بالائے طاق رکھ رہے ہین۔اس زمانہ کو جس مین ہر قسم کی وحشیانہ اور قبیح رسوم زور پر تھین ایام جاہلیت کہنا۔۔۔ پادری صاحب کو برا معلوم ہوتا ہے اسلیئے نہین کہ واقع مین وہ ایام جاہلیت نہین تھے۔بلکہ اسلیئے کہ ایسا کہنے سے اسلام کی عظمت کا قایل ہونا پڑتا ہے+

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو مذہبی عقاید عرب کے لوگونکے تھے اونسے اس سے بھی زیادہ صاف شہادت انکی جہالت اور توہم پرستی کی ملتی ہے انکے مذہب مین نہ صرف بتونکی پرستش ہی چلی آتی تھی بلکہ قدرتی طاقتون مثلاً ہوا وغیرہ اور سورج چاند ستارونکی پرستش بھی ہوتی تھی اور اس سے بھی بڑھکر یہ پتھرون درختون اور ڈھیرونکی پرستش کیجاتی تھی۔جہان کہین ان کو اچھا پتھر نظر آتا اسکو سجدہ کرتے اور اگر یہ نہ ہوتا تو ریت کے ایک ڈھیر پر اونٹنی کا دودھ دوہ کر اسکی پرستش کرتے۔انسانونکی قربانیان بھی انکے درمیان ہوتی تھین ہر ایک ضروری کام کے کرنیسے پہلے وہ اپنے بتونکی مرضی معلوم کرنیکے لیے تیرونکے ذریعہ فال نکالتے تھے ان سب توہم پرستیونکے باوجود وہ لوگ لامذہب بھی تھے انکے اندر وہ لوگ بھی تھے جو قیامت کے منکر تھے اور انکا مذہب یہی تھا کہ انسان کی زندگی کی غایت کھانا پینا ہی ہے۔جو لوگ حیات بعد از موت کے قایل تھے انکا یہ دستور تھا کہ جب کوئی انمین سے مرجاتا تو اسکی قبر پر ایک اونٹ کو باندھ دیتے اور اسکو بھوکا پیاسا رکھکر مارتے کہ تا قیامت کے دن مردہ اسی پر سوار ہو۔یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ مردہ کی روح قبر پر الّو کی شکل مین اڑتی پھرتی رہتی ہے اور اگر مردہ مقتول ہو تو وہ اسقنی اسقنی پکارتا رہتا ہے جبتک کہ مقتول کا قصاص نہ لیا جاوے۔یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ خدا پر بھی ایمان لاتے تھے مگر انکا خدا کی ہستی پر ایمان محض لفظاً ہی تھا عملی طور پر وہ خدا کو کچھ نہین مانتے تھے کیونکہ انکا خیال تھا کہ اللہ تعالے نے تمام کامونکی انجام دہی مختلف بتون اور دیویون دیوتاؤنکے سپرد کر رکھی ہے اور اسلیئے خدا کی پرستش یا اس سے دعا مانگنے کی کوئی ضرورت نہین بلکہ بتونکی طرف ہی ہر حالت مین رجوع کرنا چاہیئے۔القصہ انکا قومی مذہب سخت بت پرستی اور پرلے درجہ کی وحشیانہ توہم پرستی تھی۔

یہ تھی عرب کی مذہبی اور یہ انکی تمدنی اور اخلاقی حالت۔ان پادری صاحبان کے سوا جنکے تو ے روحانی انسان پرستی

سے بالکل مر چکے ہین اور کوئی شخص ان حالات پر غور کر کے یہ نہین کہہ سکتا کہ ان حالات کو جاہلیت کے نام سے پکارنے مین مسلمانون نے غلطی کی۔ اخلاقی تمدنی اور مذہبی پہلوؤنسے عرب پر بدکاری اور توہم پرستی کی ایک سخت تاریک رات چھائی ہوئی تھی جس مین سیاہ ابر نے رات کی تاریکی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ عرب کی شاعری اس گھٹا ٹوپ تاریکی کے اندر صرف ایسی تھی جیسے کہین سے بادل کا ٹکڑا ایکبارگی پھٹ کر ایک ہیچ ستارے کی روشنی نظر آجاتی ہے۔ اس ستارے کو پادری سیل صاحب نے شمس نصف النہار بنا کر دکھانیکی کوشش کی ہے۔

پھر پادریصاحب نے بار بار ایک ناقص عیسائیت کے نیک اثر کا ذکر کیا ہے مگر ابھی تک تو اس بات کا بھی جھگڑا ہے کہ آیا کامل عیسائیت دنیا پر کوئی تہذیب کا نیک اثر ڈال سکتی ہے جب پادریصاحب اس جھگڑے کا تصفیہ کر دکھائینگے تو پھر ناقص عیسائیت کے نیک اثر کا فیصلہ بھی آسانی سے ہو جائیگا۔ دوسری صدی عیسائی تک جو کلیسیا کیحالت تاریخ سے معلوم ہوتی ہے اس سے تو پادریصاحب کے دعوی کی سخت تردید ہوتی ہے۔ اور اگر موجودہ عیسائیت کو بھی عیسائیت ہی سمجھا جائے خواہ کامل ہو یا ناقص تو اسکی شہادت بھی پادریصاحب کے خلاف ہی ہے ایک اثر عیسائی مذہب کا بیشک عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے پادریصاحب چاہین تو اسے نیک اثر کہہ لین اور وہ یہ ہے کہ اسکے وجود سے دنیا مین شرابخوری قماربازی اور رنڈی بازی بہت پھیلی ہے اور جہان اسکا قدم گیا ہے وہان یہ تینون بدکاریان لازم طور پر ساتھ گئی ہین اس بارے مین کہ آیا ایام جاہلیت مین جو عرب مین شرابخوری اور قماربازی کی کثرت ہوگئی تھی وہ بھی اسی مذہب کی طفیل تھی مین ابھی تک کچھ نہین کہہ سکتا کیونکہ اس معاملہ مین مین نے پوری تحقیقات نہین کی البتہ حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کا ایک قول باسورتھ سمتھ نے دوزی کی سند پر نقل کیا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعی عرب مین عیسائیت کی شرابخوری کی شہرت پہلے زمانے مین بھی تھی اور قرین قیاس ہے کہ عیسائیت کے آنیسے اس بدی مین عرب نے اور بھی ترقی کی ہو۔ باسورتھ سمتھ عرب مین عیسائیت کیحالت پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”حضرت علی اسبات کے کہنے مین حق پر معلوم ہوتے ہین کہ بنی تغلب عیسائی نہین انہون نے عیسائیت سے سوائے شرابخوری کے اور کچھ نہین لیا“ جاہلیت مین عیسائی شاعر بھی تھے اور انکے شعرونسے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اگر عرب سے بڑھ کر نہین تو عرب کے برابر ضرور بدکاریون مین غرق تھے۔ میور جیسے متعصب عیسائی کو یہ کہنا پڑا ہے کہ ”ساتوین صدی کی عیسائیت نہایت گری ہوئی اور فاسقانہ حالت مین تھی۔ مختلف فرقون کے جھگڑون سے یہ کسی کام کی نہ رہ گئی تھی۔ اور ابتدائی زمانہ کے پاک ایمان کی بجائے وحشیانہ توہم پرستی اس مین رائج ہوگئی تھی۔“ اب اسکا فیصلہ پادریصاحبان آپ ہی کرین کہ عیسائیت کی وہ حالت تھی جسکا اقرار میور نے کیا ہے یا وہ جو اب سیل بنا کر دکھانا چاہتا ہے۔ سیل نے یہ بھی لکھا ہے کہ عیسائیت کا یہ نیک اثر بعض غیر عیسائی عرب پر

بھی پڑا تھا جن کو حنیف کہتے ہین جنہون نے بت پرستی سے توبہ کر کے صرف اللہ کی پرستش اختیار کر لی تھی اگر پادری صاحب حنیفون کا پیدا ہونا یہودیت کا نتیجہ بتاتے تو انکا دعوے بظاہر نظر قرین قیاس بھی معلوم ہوتا مگر انکے عقائد کو عیسائیت کا اثر بتانا یہ پادری صاحب کی خوش فہمی ہے۔ عیسائیت خصوصًا اس زمانے مین جس کا ذکر پادری صاحب کر رہے ہین خود اللہ کے نام سے بے خبر تھی کیونکہ جس خدا کی پرستش عیسائی کرتے تھے وہ ایک مرا ہوا انسان تھا۔ اور مختلف عیسائی فرقونکے باہمی تمام جھگڑے یسوع اور اسکی الوہیت کے متعلق تھے نہ اللہ تعالے کی ہستی کے متعلق۔ عیسائیت شروع سے لوگونکو خدا کی طرف نہین بلاتی رہی بلکہ یسوع کیطرف بلاتی رہی ہے اور اسکا تمام زور یسوع پر ہی خرچ ہوا ہے۔ خدا کا تو شاید کبھی بھول کر ہی عیسائی صاحبان نام لیتے ہونگے یہی وجہ تھی کہ عرب مین عیسائیت ناکام رہی کیونکہ جہان عربون نے بتون اور دوسری اشیاء کو چھوٹے چھوٹے خدا بنا رکھا تھا۔ عیسائی مذہب ایک مردہ انسان خدا کے طور پر پیش کرتا تھا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ لوگ اپنے پرانے بتون کو چھوڑ کر ایک نئے بت کے پیچھے لگتے الغرض باوجود عیسائی مذہب کے عرب مین موجود ہونیکے عرب اسی جہالت اور تاریکی کے گڑھے مین پڑے رہے جس مین وہ پڑے ہوئے تھے بلکہ شاید کچھ اور بھی پستی کی طرف ہی انکی حالت چلی گئی۔

اب اس حصہ بحث کا سب سے ضروری سوال پیش ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے عرب مین وہ حالات پیدا ہو چکے تھے جنہون نے عرب کیحالت مین ایک ایسی تبدیلی پیدا کی جو اپنی عظمت اور کمال اور سرعت مین دنیا کی کسی قوم مین نظیر نہین رکھتی اور یہ محض ایک اتفاقی امر تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی عین اسیوقت بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا یا کہ اس عظیم الشان تبدیلی کے ظاہر ہونے کی پہلے سے کوئی علامت موجود نہ تھی اور کوئی غور کرنیوالی طبیعت عرب کیحالت پر غور کر کے اس نتیجہ پر نہ پہنچ سکتی تھی کہ یہ وحشی قوم یکایک اس اوج ترقی پر پہنچ سکتی ہے اور اسکا ظہور صرف ایک ہی کامل انسان کے انفاس طیبہ اور قوت قدسی کی برکت سے ہوا۔ عرب کی جو حالت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے تھی اسکو مین بیان کر چکا ہون اور اس حیرت انگیز تبدیلی کو اچھی طرح سمجھنے کیلیے اب مین یہ بیان کرونگا کہ آپ سے پہلے ملک مین اتفاق پیدا کرنے اور اسکی اخلاقی تمدنی اور مذہبی حالت کی اصلاح کرنیکے لیے کس کس قسم کی کوششین ہو چکی تھین۔ بعد اسکے کہ عرب حضرت اسمٰعیل کے پاک مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی پر جم گئے تین بڑی تحریکین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انکی اصلاح کیلیے ہو چکی تھین یعنی اول یہودیون کی کوشش دوم عیسائیونکی کوشش اور تیسرے حنیفونکی جنمین سے تیسری کوشش ایک نہایت کمزور کوشش تھی۔ اور پہلی دو طاقتور اور زبردست کوششین تھین جنکے ساتھ حکومت کا رعب بھی تھا۔ ان تینونکا مین الگ الگ ذکر کرونگا

سب سے پہلی کوشش یہودی مذہب کیطرف سے تھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قریبًا سات سو سال پہلے یہودی عرب مین آباد ہو گئے تھے اور غالبًا بخت النصر کی تکلیف دہی کیوجہ سے اس ملک مین انہین امن تلاش کرنا پڑا سب سے پہلے وہ خیبر مین آباد ہوئے جہان حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانے تک وہ آباد رہے پہلے جلاوطنو نکے بعد طیطوس اور ہیڈرین کیوقت مین بہت سے اور یہودیون نے عرب مین پناہ لی جب انکے قدم اس جگہ جم گئے تو انہون نے یہودی مذہب کی تبلیغ اہل عرب کو شروع کی۔ ان کا مذہب خالص توحید تھی جو عرب کی بت پرستی سے بہت بڑھکر فوقیت رکھتا تھا۔ علاوہ ازین بنی اسرائیل اور عرب دو بھائیون کی طرح تھے کیونکہ عرب بنی اسمٰعیل تھے۔ اور اس طرحپر دونون کے جد اعلے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے ایسی قرابت کی صورتمین عرب کا سلوک بنی اسرائیل سے وہ نہ ہو سکتا تھا جو اجنبیونکے ساتھ وہ کرتے تھے۔ یہود کو اول اول اپنی کوششونمین کامیابی بھی ہوئی۔ کیونکہ کئی امور مین پہلے بھی انکا اشتراک تھا۔ لیکن یہودی مذہب کے اندر سے وہ قوت زایل ہوتی گئی جو مذہب مین ایک روح کے طور پر ہو نیسے دوسرونکو اپنی طرف کھینچنے کا ذریعہ ہوتی ہے چنانچہ ابتدا مین بعض عرب اقوام کے اندر یہودی مذہب کو قبولیت حاصل ہوئی مگر یہ سلسلہ جاری نہ رہا۔ اور عرب کی عام حالت مین یہودی مذہب کے اثر سے کچھ بھی تغیر واقع نہ ہوا۔ اور وہ اسی جہالت اور توہم پرستی مین غرق رہے جس مین یہودیت کے آنیسے پہلے وہ غرق تھے۔

یہودیت کی ناکامی کے بعد عیسائیت کا دورہ شروع ہوا۔ تیسری صدی عیسائی مین جب اندرونی فسادون کے سبب سے ایک فرقہ کو دوسرے سے اذیت پہنچنے لگی تو بہت سے عیسائیون نے ملک عرب مین آکر پناہ لی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے پہلے بھی یہان عیسائی موجود ہون کیونکہ پولوس نے بھی عرب مین آنیکا ذکر کیا ہے مذہب عیسوی شروع سے ہی اپنے پھیلانیکے لیے مضبوط اور باقاعدہ ذرایع اختیار کرتا رہا ہے مگر باوجود تمام کوششونکے عرب مین عیسائیت کو کبھی ترقی نہین ہوئی۔ حالانکہ کئی صوبون مین اسکی حکومت بھی ہو گئی تھی۔ اور ادھر قسطنطنیہ کے عیسائی قیصر کا دباؤ بھی عرب پر پڑتا تھا۔ اور دوسری طرف نجاشی شاہ حبش کا جو وہ بھی عیسائی تھا بلحاظ قرب اور تعلقات تجارتی وغیرہ اسباب کے عرب پر اثر تھا۔ غسان کی سلطنت جو شمال مین واقع تھی اور حیرا کی سلطنت جو شمال مشرق مین واقع تھی یہ بھی دونون عیسائی سلطنتین تھین۔ جنوب مین ایک مدت تک عیسائیت کا تسلط رہا تھا اور اسطرحپر چارونطرف سے عرب پر عیسائیت کا اثر پڑ رہا تھا اور ادھر وعظ کا سلسلہ بھی باقاعدہ جاری تھا۔ مگر یہ تمام طاقتین اور تمام اسباب ناکام ثابت ہوئے اور عرب کیحالت کو کچھ بھی نہ سنوار سکے۔ پوری پانچ صدیان اسلام سے پہلے عیسائی مذہب کو ملی تھین۔ کہ وہ عرب مین اپنے آپ کو قایم کرے اور عربونکو اخلاقی پستی سے نکالکر اوج ترقی پر لادے مگر ان پانچ صدیونمین بھی عیسائی مذہب کچھ

نہ کرسکا کیونکہ عرب کی بت پرستی اور وحشیانہ حالتین ایسا قوم مین اثر کرچکی تھین کہ کوئی انسانی کوشش انکے دور کرنے مین کامیاب نہ ہوسکتی تھی۔ چنانچہ میور لکھتا ہے کہ "عیسائی مذہب کے پانچسو برس کے وعظ کے بعد خال خال عیسائی ہمین نظر آتے ہین جیسے بخران مین بنی حارث۔ یمامہ مین بنی حنیفہ اور تیمہ مین بنی طے۔ اور انکے سوائے اور کوئی نظر نہین آتا"

اسطرح جبکہ دنیا کے دو بڑے مذہب عرب کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرنے ناکام ثابت ہوچکے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے تھوڑا عرصہ پہلے ایک اور فرقہ بھی پیدا ہوگیا تھا جنکو حنیف کہتے ہین جو نہ یہودی مذہب کو مانتے تھے اور نہ عیسائی مذہب کو بلکہ خدا تعالے کی توحید کے قایل تھے اور بت پرستی اور دوسری چیزونکی پرستش کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ تیسری کوشش عرب کیحالت کو اصلاح پر لانیکی تھی جسمین کسی دوسرے مذہب کو قبول نہ کرنا تھا بلکہ صرف بت پرستی کو چھوڑکر ایک ہی خدا کا اقرار کرنا ضروری تھا اور ان لوگونکو باقی رسوم عرب سے بھی چندان تعلق نہ تھا وہ یہ کہتے تھے کہ ہم اصل ابراہیمی مذہب کے پیرو ہین اسوقت اس بحث کی ضرورت نہین کہ آیا ان لوگونپر یہودی مذہب کا اثر ہوا تھا یا عیسائی مذہب کا میری غرض صرف اسقدر ہے کہ یہ ایک تیسری تحریک اصلاح کی خود ملک عرب کے اندر پیدا ہوئی تھی اور یہودیت اور عیسائیت کیطرح بیرونی تحریک نہ تھی اور اسکی غرض یہ بھی نہ تھی کہ ملک کے رواجون اور رسمونکو توڑے بلکہ صرف بت پرستی کی اصلاح کرنا انکا مقصود تھا۔ اور توحید کیطرف لوگونکو بلاتے تھے۔ مگر انکو بھی وہی ناکامی ہوئی جو انسے پہلے دو بڑے مذہبونکو ہوچکی تھی اور اسلیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کیوقت عرب اسی پستی کی حالتین گرے ہوئے تھے جسمین وہ ہمیشہ سے چلے آتے تھے اور کسی تحریک اصلاح سے انکی حالت مین کوئی بھی تغیر بہتری کی طرف نہ آیا تھا۔

الغرض اصلاح کی تمام کوششین عرب کیحالت بدلنے مین بالکل ناکام ثابت ہوئین۔ یہودی مذہب کی خالص توحید اور اسکی پابندی شریعت عیسائی مذہب کا مسئلہ کفارہ اور اسکے ساتھ عملی زندگی مین آزادی حنیفونکا ابراہیمی مذہب اور اسکے ساتھ عرب کی پرانی رسوم اور رواج انمین سے کوئی بات بھی عربونکے لیے باعث کشش ثابت نہ ہوئی۔ ان سب کوششونکی ناکامی ایک غور کرنیوالی طبیعت کو اس نتیجہ پہنچاتی ہے کہ عرب کی اصلاح قریبًا ناممکن ہی ہوگئی تھی حالانکہ انکا اپنا مذہب بمقابلہ ان مذہبونکے جنکی طرفسے یہ کوششین کیجاتی تھین نہایت گری ہوئی حالت مین تھا۔ تعجب ہے کہ عیسائی صاحبان ہر بات مین تاریخ کے خلاف پہلو اختیار کرتے ہین وہ کہتے ہین کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تھا کہ عرب اسوقت ایک تبدیلی قبول کرنیکے لیے تیار ہو اور صرف اشارے کی ہی ضرورت ہے حالانکہ تاریخ صاف بتاتی ہے کہ اگر آنحضرت معمولی انسانی دور اندیشی سے کام لیتے

تو وہ دیکھ سکتے تھے کہ ان لوگوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا ایک ناممکن امر کے حصول کیلیئے ہاتھ ڈالنا ہے کیونکہ اصلاح کی کوئی صورت بھی انکے لیے کارگر ثابت نہ ہوئی تھی پس ایسے وقت مین اصلاح کا بیڑا اٹھانا ایک انسان کا کام نہ تھا بلکہ اللہ تعالے کا خاص ارادہ تھا تا وہ دکھاوے کہ جہان بڑی سے بڑی انسانی طاقتین دولت اور حکومت کے ساتھ ناکام ہوئین وہان اسنے اپنے ایک عاجز بندے سے جسکا سارا جزیرہ نما دشمن تھا کیسا عظیم الشان کام کر دکھایا یہ بجائے خود اللہ تعالی کی ہستی کا عظیم الشان ثبوت ہے ان باتونکو کہ واقعی عرب کیحالت کسی اصلاح کی امید نہ دلاتی تھی - میور صاحب نے بھی قبول کیا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جوانی کے ایام مین جزیرہ نمائے عرب کیحالت کسی تبدیلی یا ترقی کے قبول کرنیکے لایق نہ تھی شاید اس سے پہلے کسی زمانہ مین ان لوگونکی اصلاح سے اسقدر نا امیدی پیدا نہین ہوئی جیسی آپکے وقت مین بعض وقت جب ایک سبب کو ایک نتیجہ کے پیدا کرنیکے لیے ناکافی سمجھ لیا جاتا ہے تو اسکے لئے اور وجوہ اکٹھے کیے جاتے ہین مثلاً حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انکا اٹھنا تھا کہ ساتھ ہی سارے کا سارا عرب ایک نئے اور روحانی ایمان کیلیئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ عرب اسوقت ایک بڑی بھاری تبدیلی کیلیئے جوش مین تھا اور اسکے قبول کرنے کیلیے بالکل تیار تھا - ہمارے نزدیک جب ٹھنڈے دل کے ساتھ اسلام سے پہلے کی تاریخ کو مطالع کرتے ہین . . تاریخ اس نتیجہ کو جھٹلاتی ہے - پانچ صدیون تک عیسائیونکی لگاتار کوششون اور وعظ کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ چند آدمی بعض اقوام سے اس مذہب مین داخل ہوئے - یہودی مذہب جو اس سے بھی بڑھکر طاقتور تھا اسنے بھی متفرق زمانون مین تھوڑی تھوڑی کوشش کر کے چند لوگونکو اپنے اندر شامل کیا مگر یہودی مذہب تبلیغ مین بہت سست ہو گیا تھا اس طرح عرب کی مذہبی سطح پر عیسائیت کی کمزور سی کوشش کی کبھی کبھی کوئی چھوٹی سی لہر نمودار ہوتی تھی بعض وقت زیادہ گہری موجوںین یہودیت کا اثر نمودار ہوتا تھا - مگر اندرونی بت پرستی اور اسمٰعیلی توہم پرستی کی موجین نہایت بلند تھین" پھر دوسری جگہ وہی مصنّف لکھتا ہے - کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کیحالت مذہبی تبدیلی کے قبول کرنیسے ایسی ہی دور پڑی ہوئی تھی جیسے باہمی اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے سے دور تھی - عربونکے مذہب کی بنیاد ایسی سخت بت پرستی تھی جسکی جڑین نہایت گہری لگ چکی تھین جسنے صدیونتک مصر اور شام کے عیسائیونکی تمام کوششونکا ایسا مقابلہ کیا تھا کہ گویا انکا اسپر کچھ اثر ہی نہ تھا" پس اس امر سے کسی طرح انکار کی گنجایش نہین بلکہ مخالفین نے بھی اسکا اقرار کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب مین کوئی واقعات ایسے پیدا نہین ہوچکے تھے جو اسکی حالت مین کسی تبدیلی کے پیدا ہونیکی امید دلاتے بلکہ برعکس اسکے تمام حالات ایسے تھے جنسے عرب کی اصلاح کا کام دن بدن مشکل سے مشکل

ہوتا چلا جاتا تھا - اور کوئی انسانی تجویز انکو راہ راست پر لانے مین کامیاب نہ ہوتی تھی -

ایسے وقت مین اللہ تعالے نے اپنے خاص ارادہ اور منشاء سے اس قوم کی دستگیری فرمائی - سیل کہتا ہے کہ اسلام خاص وحی الٰہی کو اپنی بنا قرار دیتا ہے مگر اسکا یہ دعوے سچا نہین اسکے نزدیک اسلام کا منبع یہودیون اور عیسائیونکی تحریرین ہین نہ کہ وحی الٰہی - مگر سوال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کیلیے یہ ممکن تھا کہ وہ یہودیون اور عیسائیونکی روائیتونسے چند باتین نقل کرکے اور عرب کی چند رسوم کو لیکر ملک عرب مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتا انقلاب بھی جسکی نظیر دنیا مین نہین ملتی تو پھر خود یہودی اور عیسائی انہین روایتونکو اپنے ہاتھ مین لیکر اور طرح طرح کے حیلے اور کوششین کرکے کیون کامیاب نہ ہوسکے یہ کیونکر ہوگیا کہ یہودی اور عیسائی اپنی روایتون اور تحریرون کو لیکر صدیون تک برابر چلاتے رہے اور اپنی گورنمنٹون کا رعب بھی دکھاتے رہے مگر عرب کیحالت مین ایک سرِ مو کے برابر بھی فرق نہ آیا اسیطرح ایک یونٹیرین مذہب بھی تو آخر عرب مین پیدا ہوا تھا جو عرب کی رسوم کو دور نہین کرنا چاہتا تھا بلکہ صرف بت پرستی کو دور کرکے توحید کو قایم کرنا چاہتا تھا اسے بھی اسی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا جو یہودی اور عیسائی اس سے پہلے دیکھ چکے تھے - پس اگر یہودی اور عیسائی روایتونمین کوئی قوت قدسی موجود تھی تو یہ کیا ہوا کہ انکی قوت قدسی تو صدیون تک ظاہر نہ ہوئی اور ایک شخص نے جو انکے نزدیک جھوٹا ہے انہین روایتونکو چرا کر وہ پاکیزگی کی روح ایک قوم مین پھونک دی جو دنیا مین اپنی نظیر آپ ہی ہے اور جہان صدیون تک انکی متفقہ کوششین ایک بدی کو بھی دور نہ کر سکین ایک اکیلے آدمی نے چند سال کے عرصہ مین ہی تمام بدیونکو جڑ سے اکھاڑ کر دکھا دیا - پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی ... باتین تھین جو صدیون تک یہودی اور عیسائی بھی کہتے چلے آئے تھے تو نتیجہ کے فرق سے ظاہر ہے کہ ان دونوںکے منبعے الگ الگ تھے - اور اس نتیجہ سے کسیکو انکار نہین ہوسکتا یہودیون اور عیسائیون کے منہ مین ان باتون نے کوئی نیک اثر نہ دکھایا اور کوئی پاکیزہ تبدیلی ...... پیدا نکی جس سے ظاہر ہے کہ انکی باتونکا سرچشمہ خود انسانی تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے جب یہ باتین نکلین تو انہون نے تمام دلونکے گند دھوکر انکو صاف اور پاکیزہ کر دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سرچشمہ جس سے آپ بولتے تھے الٰہی طاقت اور قدوسیت کا سرچشمہ تھا اور یہی باعث تہا کہ ان الفاظ نے وہ قوت قدسی دکھائی جو نہ یہود اور نہ عیسائیونکے الفاظ دکھا سکے تھے - یہودی عیسائی حنیف بھی توحید کیطرف ہی بلاتے تھے پر جس سرچشمہ سے انکا کلام نکلتا تھا وہ معمولی سرچشمہ تھا اور جب اسی توحید کیطرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بلایا تو اسکا اثر حیرت انگیز اور معجز نما ہوا کیونکہ آپکا سرچشمہ اللہ تعالے کی پاک اور خاص وحی تھی اور نتائج کا فرق منبعونکے فرق کو صاف بتاتا ہے - اگر سیلؔ اور میور دہریہ نہین اور اسبات پر ایمان لاتے ہین کہ خدا ہے جو اپنی پر حکمت مرضی

اور اپنے طاقتور ارادہ کے مطابق کرتا ہے جو کچھ کرتا ہے تو انکو تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ منبع جس سے اسلام کی تعلیم نکلی اُس منبع سے بہت برتر اور پاک ہے جس سے یہودیوں اور عیسائیوں کے الفاظ نکلتے تھے۔ تعجب ہے کہ اس صریح ثبوت کے ہوتے ہوئے وہ اسلام کے الٰہی سرچشمہ سے ہونیسے انکار کرتے ہیں کیا خدا تعالےٰ نے اپنے خاص منشاء اور ارادہ سے یہ کام نہیں کیا کہ جس پاک تبدیلی کے پیدا کرنے میں یہودی اور عیسائی ناکام ہوں وہی عظیم الشان پاک تبدیلی بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ملک عرب میں ہو۔ غور کا مقام ہے کہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صرف اسیقدر کرتے کہ کوئی کہانی یہودیوں سے لیکر اور کوئی کہانی عیسائیوں سے لیکر کچھ جوڑ توڑ کر لیتے تو جو کام یہودی اور عیسائی نہ کر سکے تھے وہ کیونکر اسے ایک حیرت انگیز طریق میں کر دکھاتے۔ پھر غور کرو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ حکومت اور طاقت بھی تھی مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالکل اکیلے تھے اور چاروں طرف سے انکو دکھ دیا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی غور کرو کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو عرب نے تبلیغ مذہب سے روکا نہیں بلکہ انکو پوری آزادی تھی کہ جس طرح چاہیں تبلیغ کریں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا تھا کہ ساتھ ہی چاروں طرف سے مخالفت کا شور اٹھ کھڑا ہوا یہانتک کہ وہ لوگ جو پہلے مصلح بنکر دکھاتے تھے وہ بھی انہیں بت پرستوں کے ساتھ مل گئے اور انکی بت پرستی اور بدکاریوں کے حامی بنکر اسلام کو جڑ سے کاٹنا چاہا۔ اب ایک شخص جسکے چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہوں جو اسکے خون کے پیاسے ہوں اور دنیا میں اس کا حامی کوئی بھی نہ ہو۔ اگر خدا بھی اسکا حامی نہ ہو تو وہ کیونکر کامیاب ہو سکتا ہے۔ کامیاب ہونا تو ایک طرف وہ تو ایکدن بھی اپنے دشمنوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔۔۔ اگر انسانوں سے بالاتر کوئی اور ہستی اسکی حافظ اور ناصر نہ ہو۔ اور کیونکر وہ ان لوگوں کو جو اسکے اور حقیقی پاکیزگی کے دشمن ہو گئے ہیں راہ راست پر لا سکتا ہے اگر اسکے الفاظ میں خدائی طاقت اور الٰہی جذبہ نہ ہو۔ عیسائیوں نے بہت سا وقت اس بات کے ثابت کرنے میں خرچ کیا ہے (اور میں دیکھتا ہوں کہ انکی یہ تمام محنت اکارت گئی ہے اور انکا وقت محض ضایع ہوا ہے) کہ قرآن کریم کا فلاں قصہ فلاں یہودی یا عیسائی تحریر سے ملتا ہے۔ اگر ہم تطابق کو مان بھی لیں تو اس سے کوئی نتیجہ خیز بات پیدا نہیں ہوتی۔ اسلام کا سرچشمہ معلوم کرنیکے لیے اسکی تعلیم کے نتیجہ کو دیکھو اور یہودی اور عیسائی تعلیم کے نتیجہ سے مقابلہ کرو۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر اسلامی تعلیم کا ماخذ یہودی اور عیسائی تحریریں ہوتیں تو اسکا اثر کم سے کم ان اصلی تحریروں سے کم ہونا چاہیئے تھا مگر یہودیوں اور عیسائیوں کو جو عرب میں ناکامی ہوئی اور اسلام کی عظیم الشان کامیابی کچھ اور ہی بتاتی ہیں۔ اور انسے یہ قطعی اور یقینی شہادت پیدا ہوتی ہے کہ اسلام کا منبع یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریروں سے بہت برتر اور اعلیٰ اور پاک ہے *

برہمو سماج کی ناکامی

بابو پرتاب چندر موز مدار کی موت سے برہمو سماج کی متزلزل عمارت کو ایک اور سخت صدمہ پہونچا ہے۔ بابو صاحب کیشب چندر سین کی زندگی مین بھی انکے دایان بازو تھے اور اسکی موت کے بعد اگرچہ وہ باقاعدہ انکی گدی پر نہین بٹھائے گئے مگر کیشب کے ساتھ گہرے تعلق اور اپنی ذاتی قابلیت اور شہرت کے باعث وہ برہمو سماج مین لیڈر ہی سمجھے جاتے تھے انکی ساری عمر برہمو سماج کی تائید مین ہی صرف ہوئی مگر آخر عمر مین برہمو سماج کی ناکامی اور روحانی تنزل کے سبب سے انکو رنج اور مایوسی نے آگھیرا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا کیونکہ آخر کامیابی کے ساتھ اٹھنا اللہ تعالے نے انبیا کے ساتھ ہی مخصوص رکھا ہے اور جس شخص کو اس ذات پاک سے تعلق نہین اسکا انجام ہمیشہ ناکامی اور رنج مین ہی ہوتا ہے۔ میگزین ایسٹ اینڈ ویسٹ مین انکا ایک آخری مضمون شایع ہوا ہے جس مین انہون نے برہمو سماج کے از سر نو بنانے کی تجویز کی تھی اس مضمون مین یہ لکھا ہے کہ "کیشب چندر سین سے بعض گہرے تعلقات رکھنے والے روحانی طرز کے آدمی ہین۔ مگر انکے باہمی اختلافات اور ایکدوسرے کی تحقیر اسقدر گہری جڑ پکڑ گئے مین کہ سارے کا سارا سلسلہ اکثر دفعہ سخت بربادی اور تباہی کے کنارے تک پہونچ چکا ہے۔ بسبب ان عداوتونکے جو اسکے نام کے حواریونمین پیدا ہو رہی ہین"۔ لمبے تجربہ نے آخر برہمو سماج کو اسبات کا بھی قایل کر دیا ہے کہ عبادت کے ظاہری افعال کے بغیر روحانیت کا حاصل ہونا ناممکن ہے چنانچہ اسی مضمون مین یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "نئے قواعد برہمو سماج کے تمام ممبرون کو کیشب کی رسوم اور افعال کا ایسا سخت پابند کرتے ہین کہ پرانے معنوں مین آزادی تو بالکل چھوڑنی ہی پڑی ہے"۔

ابتدا سے ہی برہمو سماج کو خوش قسمتی سے بڑے بڑے قابل لیڈر ملتے رہے ہین بنا اسکی راجہ رام موہن رائے نے رکھی پھر اسکے بعد کیشب چندر سین اور دیبندر ناتھ ٹیگور اسکے لیڈر رہے اور اگرچہ بابو پرتاب چندر ان جیسی قابلیت نہ رکھتا تھا مگر اپنے وقت مین اس نے بھی سماج کی بہت خدمت کی ہے مگر باوجود اس عظیم الشان علمی طاقت کے جو برہمو سماج کو اپنے لیڈرونکی قابلیت کے سبب حاصل رہی ہے اس فرقہ کا اثر کبھی کسی بڑی تعداد پر نہین ہوا اور اب آخر کار ناکامی اسے صاف منہ دکھا رہی ہے۔ اگر کوئی مذہب صرف کسی لیڈر کی قابلیت اور ذہانت کے باعث کامیاب ہو سکتا تو برہمو سماج بڑی کامیابی کا مستحق تھا۔ مگر برہمو سماج کے اصل اصول مین بعض ایسے نقص ہین کہ یہ مذہب نہ کبھی روحانیت کے سچے سرچشمہ تک پہونچ سکتا ہے اور نہ ہی سچی کامیابی حاصل کر سکتا ہے اور اسکے لیڈرونکی بڑی بڑی فاضلانہ تقریرون اور تحریرون کا انجام کار بے اثر ثابت ہونا صاف بتا رہا ہے کہ وہ

روحانی کشش اور الٰہی جذبات کے اندر ہرگز نہ تھا جو خدا کے مرسلوں اور ماموروں میں ہوتا ہے اور جہاں یہ موجود نہ ہو تو قابلیت اور ذہانت کچھ کام

سب سے بڑی اصولی غلطی جس میں برہمو سماج پھنسا ہوا ہے انکار وحی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ خدا تعالے کے اعلے درجہ کی روحانی برکات سے محض ناواقف ہے اور اس تعلق کو سمجھ بھی نہیں سکتا جو خدا کے پیاروں کو اپنے مولا و آقا سے ہوتا ہے اس روحانیت سے بے بہرہ ہونیکو آخر خود برہمو سماج نے اپنے زوال کا سبب بھی سمجھ لیا ہے مگر افسوس ہے کہ اسکی اصل وجہ کیطرف توجہ نہیں کرتے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو برہمو سماج کی اس غلطی کا موجب خود بعض وہ مذاہب ہوئے ہیں جو زمانہ موجودہ میں وحی سے انکار کرتے ہیں اور زمانہ گذشتہ کے متعلق وحی کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ انکی اپنی بنا تو وحی پر رکھی گئی تھی مگر اب بسبب اللہ تعالے سے دور جا پڑنیکے وہ اس نعمت سے محروم کیے گئے ہیں اور انکی محرومی ہی آخر انکے انکار کا باعث ہو گئی ہے اسی انکار کی بنا پر برہموؤں نے وحی الٰہی سے قطعی انکار کر دیا ہے کیونکہ انکی دلیل یہ ہے کہ اگر خدا گذشتہ زمانوں میں اپنے بندوں سے ہمکلام ہوتا تھا تو اب بھی اسکی ہمکلامی کا دروازہ بند نہیں ہو سکتا اور اگر اس زمانہ میں اللہ تعالے وحی نہیں کرتا تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پہلے بھی اسنے کبھی وحی نہیں کی پس اگر اسنے اپنی مرضی بذریعہ وحی کے اپنے بندوں پر ظاہر نہیں کی تو عقل انسانی ہی انسان کی رہبر ہونی چاہیئے اور اسلیے مذہب کی بنا بھی عقل پر ہی رکھنی چاہیئے گویا جو بزرگی اللہ تعالے کیلیے تھی وہ عقل انسانی کو دیگئی۔ اور یہی وجہ برہمو سماج کی روحانیت سے محرومی کی ہے کیونکہ جو مذہب انسان کو خدا تعالے کے اتنا قریب نہیں کرتا کہ اسے خدا تعالے سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہو اور وہ اپنی عاجزانہ دعاؤں اور التجاؤں کا اللہ تعالے کیطرف سے جواب پاوے اور غموم و ہموم کیوقت میں اسکے شیریں کلام سے اسکی تسلی ہو وہ مذہب مذہب نہیں بلکہ خشک لفظ ہیں ...... جو کبھی سرسبز نہیں ہو سکتے۔ روحانیت کے بارے میں آریہ سماج برہمو سماج سے بھی دور جا پڑا ہے۔ کیونکہ اُسنے خشک لفاظی کو ہی اپنا اصلی مقصد سمجھ لیا ہے اور اسی پر انکی ہمت صرف ہوتی ہے اور حقیقی پاکیزگی یا حق سے یا اللہ تعالے کا قرب حاصل کرنے سے ان لوگوں کو تعلق نہیں بلکہ مقربین بارگاہ الٰہی کو گالیاں دینا شب و روز انکا کام ہے پس یہ مذہب یعنی آریہ سماج بھی کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا اور اگرچہ چند دن تک برہمو سماج کی طرح بہت جوش و خروش رہیگا مگر یہ یقینی امر ہے کہ آخرکار برہمو سماج سے بھی بڑھکر ناکامی اور نامرادی اسے ہوگی کیونکہ جو مذہب اللہ تعالے سے تعلق پیدا کرنیکی کوئی راہ نہیں بتاتا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا

مشنری اخبار

اکثر مشنری اخباروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ پادری صاحبان کی تحریریں اکثر ایسی سطحی اور لغو اعتراضات سے پر ہوتی

ہین کہ انکے جواب کی کوئی ضرورت نہین ہوتی۔ مگر بعض وقت کوئی غلط فہمی رفع کرنیکے لیے انکا حوالہ دینا ضروری ہوجاتا ہے۔ انگریزی نور افشان مین ۲۳ جون کے پرچہ مین دو ایڈیٹوریل نوٹ ریویو آف ریلیجنز کے متعلق ہین جن مین سے ایک مین تعدد ازدواج کے مضمون پر بعض اعتراض کیئے گئے ہین۔ چار لمبے مضمونون مین سے جو اس مضمون پر اس رسالہ کے چار مختلف نمبرون مین مارچ سے شروع ہوکر جون تک ختم ہوئے ہین معترض نے صرف ایک کا حوالہ دیا ہے اور شاید یہ بھی سارا نہ پڑھا ہو۔ مگر یہ کوئی تعجب کی بات نہین کیونکہ پادریصاحبان کا کام یہ نہین کہ کوئی مدلل جواب دین بلکہ ایک کام کا کرنا انہون نے اپنا فرض منصبی سمجھا ہوا ہے خواہ اسکے لیے کوئی دلیل ہو یا نہ ہو وہ انہون نے کرنا ہے اسی نتیجے وہ مخالف کے دلایل کو پڑھنے کے بغیر بھی جواب خوب دیسکتے ہین مگر اس معاملہ مین پادریصاحب نے یسوع مسیح سے بھی بڑھکر قدم مارا ہے کیونکہ یسوع نے تو کبھی تعدد ازدواج کی مخالفت نہین کی مگر پادریصاحب نے اس مقدس رواج کی مخالفت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ شروع مین ہی مین یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہون کہ رسالہ ہذا کے وہ تمام مضامین جن پر کسی دوسرے کا نام نہ لکھا ہوا ہو وہ ایڈیٹر کے اپنے ہوتے ہین اور اسلیئے پادریصاحبان اپنی عیسائیانہ فیاضی سے مضمون کے لکھنے والونکو جتنا چاہین کو سا کرین نہ یہ کہ بلا وجہ ہر بات مین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے آقا اور مرشد کو گالیان دیکر ہمارے دلونکو دکھ پہنچاوین۔

نور افشان کے ایڈیٹر نے لکھا ہے کہ تعدد ازدواج کے مضمون مین جواب کوئی نہین دیا گیا صرف دلاور حسین کو گالیان نکالی ہوئی ہین اسکا فیصلہ مین ناظرین پر چھوڑتا ہون۔ اس نوٹ مین دو اعتراض کیے گئے ہین۔ اور یقیناً یہ اعتراض پادریصاحب کرنیکی جرات نہ کرتے اگر وہ میرے سارے مضمون کو پڑھ لیتے۔ انکا پہلا اعتراض یہ ہے کہ جن دلایل سے بعض آدمیونکی ضرورت ایک سے زیادہ بیوی کیلیے دکھائی گئی ہے انہین دلایل سے بعض عورتونکی ضرورت ایک سے زیادہ خاوند کیلیئے ثابت ہوسکتی ہے۔ اس سے زیادہ ناسمجھی کا اعتراض تعدد ازدواج پر قیاس مین نہین آسکتا۔ اسکا دفعیہ مین نے سب سے پہلے مضمون مین خود ہی کر دیا تھا۔ اگر پادریصاحب اسکو پڑھ لیتے تو اخبار کی اسقدر سطرین سیاہ کرنیکی ضرورت انکو پیش نہ آتی۔ مینے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویان ہونیسے نکاح کے اغراض کے حصول مین سوسائیٹی کو مدد ملتی ہے مگر ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونا اغراض نکاح کے بالکل مخالف پڑا ہوا ہے پھر اگر ایک مرد کی کئی بیویان ہین تو جو اولاد پیدا ہوگی ان سب کے مان اور باپ ایسے ہی متمیز ہونگے جیسے ایک بیوی والے مرد کے بچونکی۔ مگر برعکس اسکے اگر ایک عورت کے کئی خاوند ہون تو تعیین والدین ہرگز نہین ہوسکتی۔ اور اسطرح سے نکاح کی سب سے بڑی غرض جو تعیین والدین ہے مفقود ہوجاتی ہے۔ پس ایک عورت کے ایک سے زیادہ خاوند ہونے مفہوم نکاح کے بالکل خلاف ہے۔ اور تعدد ازدواج کی بحث مین اس بحث کو چھیڑنا پادریصاحبان کی ناسمجھی ہے۔ پھر یہ بھی دکھایا گیا تھا کہ ایک مرد کی ایک سے زیادہ بیویان ہونیکی جو سب سے بڑی ضرورت ہے وہ عورت کیلیئے ایک سے زیادہ خاوند

رکھنے کی دلیل ہرگز نہین بلکہ اسکی تردید کرتی ہے کیونکہ عورتونکے ساتھ بعض عوارض ایسے لگے ہوئے ہین جیسے حیض حمل اور وضع حمل کہ جنکے باعث عورتین اکثر اوقات زن وشوی کے تعلقات کے قابل نہین ہوتین مگر مردونکے ساتھ ایسے کوئی عوارض نہین لگے ہوئے ہین اگر پادریصاحب یہ ثابت کردیتے کہ وہ عوارض جو ہمنے عورتونکے ساتھ لگے ہوئے بیان کئیے ہین۔ وہ یسوع مسیح کے کفارہ سے عورتونسے منتقل ہوکر مردونکی طرف آگئے ہین تو مین بڑی خوشی کے ساتھ انسے اس بارہ مین متفق ہونگا کہ انکی عورتین بیشک ایک سے زیادہ خاوند کرین اور اب بھی کون مانع ہے کیونکہ پادری ٹیلر صاحب نے پادریونکے ایک مجمع کو ہی ایکدفعہ ان الفاظ مین شرم دلائی تھی کہ تم مسلمانونکے ایک سے زیادہ بیویان رکھنے پر اعتراض کرتے ہو حالانکہ تمہاری عورتونکی یہ حالت ہے کہ وہ کئی کئی خاوند رکھتی ہین۔ بہرحال قرآنشریف نے تعدد ازدواج کے قانون کو اگر جایز رکھا ہے تو اسوجہ پر کہ عورتونکے ساتھ وہ عوارض مخصوص ہین اگر پادریصاحب یہ دکھادین کہ وہ عوارض اب عورتونسے مخصوص نہین رہے بلکہ مردون اور عورتونمین مشترک ہوگئے ہین اور یا مردونسے ہی مخصوص ہوگئے ہین تو مین اپنی غلطی کو تسلیم کرلونگا اور اسصورتمین پادری صاحب قرآن کریم پر ایک واقعی اعتراض کرکے عیسائیت کی ایک ایسی خدمت کرینگے جس سے ہمیشہ کیلئے عیسائیونمین انکی قدر کیجاویگی مین پادریصاحب کے جواب کا منتظر رہونگا۔

اسی مضمون مین مینے قرآنشریف کی آیات کے حوالہ سے یہ بھی دکھایا تھا کہ قرآنشریف مسلمانونکو تاکید فرماتا ہی کہ اپنی عورتونسے پورے انصاف و عدل سے سلوک کیا کرین مگر پادریصاحب نے بغیر قرآن کریم پڑھنے کے یہ کہدیا ہی کہ ان آیات کو ہم کیا کرین جب قرآن شریف مین وہ قانون طلاق بھی موجود ہے جسکے روسے مرد جب چاہے عورت کو طلاق دیسکتا ہے مگر عورت کیلئے طلاق حاصل کرنیکی کوئی راہ ہی نہین اس اعتراض کے جواب مین مضمون طلاق کا جو اس پرچہ مین لکھا گیا ہے حوالہ دیتا ہون اور دعوے سے کہتا ہون کہ قرآن کریم نے صریح الفاظ مین عورت کو طلاق حاصل کرنیکا حق دیا ہے اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی دعوے سے کہتا ہون کہ حضرت مسیح کے الفاظ مین جو انجیل مین موجود ہین عورتنکو طلاق حاصل کرنیکا کوئی حق نہین دیا گیا اور ہرگز نہین دیا گیا۔ پادریصاحبان کو شرم کرنی چاہیئے کہ جو اعتراض اپنے پر وارد ہوتا ہے اسے دوسرونپر کرتے ہین حالانکہ نیر وہ وارد نہین ہوتا اگر وہ ایسے اعتراض کرنیسے رکجاتے جو خود انہین پر آتے ہین تو انکے اخبارات کا اکثر حصہ سیاہ نکلنے کی بجائے سفید نکلتا۔ ان پادریصاحبان کو وہ لفظ بھی پڑھنی چاہئیے جو انکے اپنے ملک کے بڑے بڑے فاضل انکے متعلق رکھتے ہین۔ پروفیسر سٹار مشنریونکے باہر بھیجنے کے متعلق لکھتا ہی کہ وہ یہ بڑی سخت غلطی ہی ایک افریقہ کا باشندہ اپنی جھونپڑیمین افریقہ کی زندگی کی طرز پر رہنے والا بہت اچھا ہی بہ نسبت اس حالت کے جب ایک انگریز مشنری جاکر وہان اپنا مذہب اپنی سطحی تہذیب اور اپنی شراب پھیلاتا ہی ہم یہ خیال کرتے ہین کہ ہم خدا کے برگزیدہ ہین نہین جسقدر ہم دخل بیجا دیتے ہین ویسی آجتک دنیا مین کوئی قوم ہوئی ہی نہین گھر مین ہین تو ہم لوگونکی باتونمین ناحق دخل دیتے باہر ہین تو ہماری یہی حالت ہے غرضیکہ جہان کہین ہم ہین ہمارا کام بیجا دست اندازی کرنا ہوگیا ہے اور اسکی وجہ صرف زر اور زرپرستی ہے

رویا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۲-جون۔ ینجی الناس من الامراض۔ ترجمہ۔ لوگونکو بیماریوںسے نجات دیتا ہے اور دیگا۔ یعنی خدا تعالے بہتوں کو ہماری دعاؤںسے بیماریوںسے نجات دیگا + ۹-جون۔ انی معک و مع اھلک و مع کل من احبک۔

۱۳-جون۔ صبح کے وقت پانچ سطریں فارسی مین لکھی ہوئی دیکھیں جو نظم اور نثر ملی جلی تھیں انمیں سے آخری سطر یہ ہے۔ **تو در منزل ما چو بار بار آئی۔ خدا ابر رحمت بہارید یا نے**

۱۶-جون۔ قبل از نماز صبح۔ رؤیا۔ مین اپنے مکان مین کمرے کے اندر کھڑا ہوں اسوقت دیکھا کہ باہر ایک عورت زمین پر بیٹھی ہے جو مخالفانہ رنگ مین ہے۔ وہ بہت بری حالتمین ہے اور اسکے سر کے بال مقراض سے کٹے ہوئے ہین کوئی زیور نہین اور نہایت ردی اور مکروہ حالت مین ہے اور سر پر ایک میلا کپڑا پگڑی کیطرح لپیٹا ہوا ہے اسکے ساتھ بات کرنیسے مجھے کراہت آتی ہے نماز عصر کا وقت ہے مین جلدی سے اٹھا ہوں کہ نماز کیلئے چلا جاؤں کچھ کپڑے پہننے ساتھ لیے ہین کہ نیچے جا کر پہن لونگا یہ جلدی اسلیے کی کہ اس عورت کو میرے ساتھ بات کرنیکا موقعہ نہ ملے پس مینے جلدی کے سبب پگڑی کو ہاتھ مین لیا اور پشمینہ کی سرخ چادر اوپر لے لی اور کمرے سے نکلا جب مین اسکے برابر سے گذرا تو میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے یا آسمان سے یہ آواز آئی کہ لعنۃ اللہ علے الکاذبین۔ ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ کہ "اسپر آفت پڑی آفت پڑی" اور دیکھا کہ وہ عورت ایک نہایت ذلیل شکل مین کوڑھیوں کی طرح بیٹھی ہے (نوٹ۔ یہ وہی عورت معلوم ہوتی ہے جسکے متعلق پہلے بھی الہام شائع ہو چکا ہے کہ مین اس عورت کو سزا دونگا۔)

۱۹-جون۔ فرمایا ہماری جماعت کے چار آدمیوں مین سے جو اس جگہ باغ مین بیمار ہوئے تھے ایک کے متعلق یہ الہام ہوا ہے "خدا نے اسکو اچھا کرنا ہی نہین تھا۔ بے نیازی کے کام ہین اعجاز المسیح" یعنی اسکی موت تو تقدیر مبرم کیطرح تھی۔ مگر خدا تعالے نے یہ مسیح کا اعجاز ظاہر کیا ہے کہ اسکو ٹال دیا یہ اسکی بے نیازی ہے۔ (نوٹ۔ چار بیماروں مین سے ایک میاں محمد اسحاق صاحبزادہ جناب میر ناصر نواب صاحب تھے جنکی مرض کیحالت ظاہری نظر مین واقعی مایوسی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ انہین ایام مین ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اس جگہ تھے انہوں نے بھی اسکی مرض کا نہایت خطرناک ہونا کئی احباب کے سامنے بیان کیا۔ خدا تعالی کی قدرت بھی عجیب ہے کہ ادھر طبی نظر سے یہ مایوسی اور ادھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا پر جو اسکی شفا کے لئے آپنے کی یہ الہام ہوا جو اسی رسالہ کے گذشتہ...... نمبر مین چھپ چکا ہے۔ سلام قولا من رب رحیم۔ پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے ڈر نہین + ایک ہی وقت کی یہ دونوں باتین ہین جسکی شاہد یہاں کی کل جماعت ہے اور خود مرزا یعقوب بیگ صاحب بھی اسکے گواہ ہین الہام الٰہی سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا۔ کہ بیماری تو واقعی خطرناک حالت تک پہنچ چکی ہے پر خدا کا رحم ہے سو آخر خدا نے اپنی اس وحی کے مطابق اس بچہ کو از سر نو زندگی بخشی۔)

اور قابل قدر ہین۔ اور مین آپکو بھی اس قابل قدر پرچہ کا ایڈیٹر ہونیکی حیثیت سے مبارکباد دیتا ہون۔ مینے ابتک کوئی ایسی کتاب یا پرچہ نہین پڑھا جس مین اسلام کی حمایت اس طاقتور اور زبردست ہاتھ سے کی گئی ہو جیسے آپکے اس رسالہ مین کیجاتی ہے" یہ ایک ایسے آدمی کی شہادت ہے جسے ہمارے سلسلہ سے اسوقت تک کوئی تعلق نہین اور وہ محض ہماری تحریرون کا دوسری تحریرون سے مقابلہ کرکے اس نتیجہ پر پہنچا ہے مگر خدا جانے مسلمانون نے عناد کو کیون اس حد تک بڑھا دیا کہ اس سلسلہ کا نام بھی آجائے تو تحریر کو نہین پڑھتے۔ اگر شقاوت یہ کام ان سے نہین کراتی تو اور کیا ہے اسی پنجاب مین ایک اور رسالہ مذہبی اردو مین نکلتا ہے جو اکثر ہمارے مضامین کو اور حضرت اقدس کی تحریرونکو لفظ بلفظ نقل کر دیتا ہے۔ مگر چونکہ وہ اس رسالہ کا یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام ظاہر نہین کرتا اسلیے ہزارون خوشی سے ان تحریرونکو پڑھتے ہین مگر ایک حد تک جماعت کی اپنی کم توجہی بھی اسکا باعث ہے۔ اگر ہمارے احباب پورے زور اور کوشش سے دوسرے لوگونکو توجہ دلاوین تو بہت سے سعید فطرت بخوشی رسالہ کی خریداری کیلیے تیار معلوم ہونگے مگر جس صورت مین جماعت کی اپنی یہ حالت ہے کہ دو تین لاکھ آدمیون مین سے سولہ سو یا سترہ سو خریدار ہین تو دوسرون پر اسکا اثر کیا پڑ سکتا ہے مین کبھی یقین نہین کر سکتا کہ اتنی بڑی جماعت مین اگر کوشش کیجائے تو خود جماعت کے اندر ہی دس بیس ہزار رسالہ کی اشاعت نہ ہوجاسکے اور اس کثرت اشاعت کے ساتھ دوسرے لوگونکی توجہ خود بخود ہوگی کیا کل جماعت مین صرف سترہ سو آدمی ہی ایسے ہین جو ۲۰ ماہوار رسالہ کی خریداری کیلیے دیسکتے ہین نہین بلکہ بے توجہی ہے بعض مخلصین بیشک رات دن ساعی رہتے ہین مگر ابھی انکی تعداد بہت تھوڑی ہے خدا کرے کہ انکا سا جوش دوسرونکے دلون مین بھی بڑھکر جوش آمین۔ ایڈیٹر رسالہ

۲۔ جون ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ ایک بڑا دریا ہے اس مین سے کوئی چیز نکلی جس مین سے شعلے نکلتے ہین اور وہ چیز اسطرح میرے سامنے آئی جیسے دریا بطور تحفہ کے کوئی چیز پیش کرتا ہے اسے مینے لیلیا تو وہ ایک ٹوپی مچھلی کی کھال کی بنی ہوئی تھی اور مینے اسے سر پر رکھ لیا۔ اسکے بعد پھر ایک اور چیز دریا نے پیش کی جو مچھلی کے چمڑے کا بنا ہوا ایک چغہ ہے وہ بھی مینے لیلیا۔ (فرمایا۔ دریا سے مراد کوئی بڑا ذیشان آدمی یا اہل علم و فضل و کمال ہوتا ہے اور اسکے تحفہ دینے سے مراد حلقہ خادمون مین داخل ہونا یا معتقد ہونا یا رجوع لانا یا مالی خدمت کرنا ہے (واللہ اعلم) ۱۲۔ جولائی ۱۹۰۵ء۔ الہام۔ روحانی عالم کا دروازہ تیرے پر کھولا گیا۔ فبصرك اليوم حديد۔

مدرسہ:۔ اسوقت مدرسہ کے متعلق مین قوم کے سامنے دو قسم کی ضرورت پیش کرتا ہون ایک موجودہ مدرسہ کا استحکام اور دوسرا کالج بنانیکی کوشش پہلی ضرورت کیلیے مین جماعت کو یہ توجہ دلاتا ہون کہ ایک ہزار روپیہ کے قریب عمارت پر خرچ ہوکر مدرسہ کی مالی حالت پھر نازک ہوگئی ہے۔ ہر جگہ کی جماعت اور ہر ایک احمدی کا فرض ہے کہ بہت جلد بکمشت چندون سے ایک ہزار روپیہ کی کمی کو پورا کر دین۔ اور بقایا دار احباب اپنے بقایا بھی بہت جلد ارسال فرما دین کالج کیلیے مینے یہ تجویز کی تھی کہ اگر ہر ایک

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۲

"معاونین میگزین"

پچھلے پرچہ مین بعض ان احباب کا شکریہ ادا کیا گیا تھا جنہون نے محض ابتغاء لمرضاۃ اللہ حضرت اقدس ؑ کے حکم کی تعمیل مین حسب توفیق واستطاعت خود کم وبیش روپیہ اعانت کا بھیجا تھا۔ چونکہ اعانت کا روپیہ بھیجنے کے علاوہ خود خریدار بننا اور دیگر خریدار پیدا کرنا بھی رسالہ ہذا کی کثرت اشاعت کا خاص ذریعہ وموجب ہے لہذا اس دفعہ ایسے جدید خریدار پیدا کرنیوالونکے اسماء بقید تعداد خریداران کے جوانہون نے دیئے خاص شکریہ کے ساتھ درج ذیل کیئے جاتے ہین۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ دیگر برادران واحباب کو بھی توفیق بخشے کہ وہ بھی اس کار خیر مین حصہ لیکر ثواب وحسنات دارین حاصل کرین۔ آمین۔

(۱) منشی ذوالفقار علیخان صاحب انسپکٹر آبکاری میرٹھ۔ ۹۔ (۲) میان عبد الرشید صاحب میرٹھ۔ ۳۔ (۳) چودھری عبد العزیز صاحب بٹالوی۔ ۷۔ (۴) میان دولت خان صاحب بیاس ضلع امرتسر۔ یک۔ (۵) حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور۔ یک۔ (۶) میان غلام دستگیر صاحب میڈیکل سٹوڈنٹ لاہور۔ ۲۔ (۷) بابو برکت علی صاحب کلرک محکمہ نہر سرگودہا۔ یک۔ (۸) صوفی محمد عظیم صاحب لاہور۔ ۲۔ (۹) مولوی محمد حسین صاحب نمبردار پیرم جنت پور۔ یک۔ (۱۰) میان ابو الفتح عبد القادر صاحب بورینی۔ ۵۔ (۱۱) جناب خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر لاہور۔ ۲۔ (۱۲) میان برکت علی صاحب ملازم "الحکم" یک۔ (۱۳) حافظ روشن علیصاحب قادیان۔ یک۔ (۱۴) میان الٰہی بخش صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۵) میان نظام الدین صاحب محلہ غلام نبی۔ یک۔ (۱۶) منشی عبد المجید صاحب کپورتھلہ۔ یک۔ (۱۷) ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم۔ ۶۔ (۱۸) حکیم فضلدین صاحب قادیان۔ یک۔ (۱۹) میر محمد سعید صاحب مدرس حیدرآباد دکن۔ یک۔ (۲۰) میان محمد الدین صاحب مستری قادیان۔ یک۔ (۲۱) میان محمد حیات صاحب سکنہ پیرکوٹ۔ ۳۔ (۲۲) میان نور الدین صاحب پارچہ فروش سنتنا۔ ۴۔ (۲۳) ڈاکٹر سید ستار شاہ صاحب رعیہ۔ یک۔ (۲۴) جناب ڈاکٹر عباد اللہ صاحب امرتسر۔ ۶۔ (۲۵) مولوی عزیز بخش صاحب ڈیرہ غازیخان۔ ۲۔ (۲۶) بابو برکت علی صاحب کلرک شملہ۔ ۶۔ (۲۷) سید سرور شاہ صاحب باشندہ ضلع ہزارہ۔ یک۔ (۲۸) چودھری محمد نواب خانصاحب تحصیلدار گجرات۔ ۳۔ (۲۹) حافظ محمد عیسےٰ صاحب نقشہ نویس مردان۔ یک۔ (۳۰) ... دی عبد الحق صاحب سیدوالہ۔ ۵۔ (۳۱) میان رحمت اللہ صاحب بنگہ۔ ۴۔ (۳۲) قاضی محمد یوسف طالبعلم پشاوری۔ ۴۔ (۳۳) بابو محمد عثمان صاحب ہیڈ ڈرافسمین الہ آباد۔ یک۔ (۳۴) سید محمد علیشاہ صاحب مدرس لسپرور۔ ۳۔ (۳۵) منشی غلام نبی صاحب پھلورا۔ ۴۔ (۳۶) حکیم محمد عمر خانصاحب فیروزپور۔ ۲۔ (۳۷) منشی محمد شیر خان صاحب سردارپور ضلع شاہپور۔ یک۔ (۳۸) مولوی غلام امام صاحب منی پور آسام۔ یک۔ بوجہ عدم گنجائش (باقی آئندہ) (مینیجر)